التوضیح الضروری

شرح

القدوری

جلد اول

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی وبانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجر پور اعظم گڑھ یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی و حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری



مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم

مہذب پور، پوسٹ سنجرپور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی (انڈیا)

ملنے کا پتہ: مکتبہ طیبہ دیوبند، یوپی

من يرد الله به خيراً يفقهه فى الدين

التوضيح الضروری

شرح القدوری

(جلداول)

تالیف

حبیب الامت، عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی

بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

ناشر:

مکتبہ الحبیب

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی انڈیا

نام کتاب : التوضیح الضروری شرح القدوری (جلداول)
مصنف : حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم
صفحات : 232
سن اشاعت اول : مارچ ۲۰۱۵ء
سن اشاعت دوم : رجب ۱۴۴۳ھ مطابق فروری ۲۰۲۲ء
قیمت : 250/روپے
ناشر : مکتبہ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی انڈیا

ملنے کا پتہ

۱- مکتبہ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ
۲- اسلامک بک سروس دریا گنج - دہلی
۳- مکتبہ طیبہ دیوبند


بسم الله الرحمن الرحيم

خصوصیات کتاب

(۱) عام فہم انداز، نحوی، صرفی، لغوی تکلفات سے ہٹ کر نیا اسلوب

(۲) پیش روشراح سے ہٹ کر نئے انداز پر مکمل مشتمل

(۳) بے جا موشگافیوں اور تطویل لا طائل سے مکمل احتراز

(۴) قدیم مسائل کے ساتھ حوادث الفتاوی اور نوازل کے ذکر کا اہتمام

(۵) مسائل کو دلیل کے ساتھ مدلل کر کے پیش کرنے کا التزام

(٦) مختلف فیہ اقوال میں راجح و مفتی بہ قول کی صراحت کا التزام

(۷) دقیق الفاظ و مسائل کو سہل ترین انداز میں ذکر کا اہتمام

(۸) علماء و طلبہ کے ساتھ عوام الناس کے لئے بھی قابل استفادہ

فہرست



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض حبیب

(مقدمہ التوضیح الضروری شرح القدوری)

قدوری متون فقہ کی وہ معتبر کتاب ہے جس کا اعتبار حضرات اسلاف سے اخلاف تک رہا ہے اور آج بھی اس کی معتبریت میں کوئی فرق نہیں آیا، چنانچہ آج بھی درس نظامی کا یہ ایک اہم حصہ ہے، فقہ میں مالا بد منہ اور نور الایضاح کے بعد مدارس میں اس اہم کتاب کا نمبر آتا ہے، طلبہ اپنی کم عمری اور کم استعدادی کی وجہ سے اکثر اس متن کے مسائل کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس متن کی اہمیت کے پیش نظر اسلاف سے لے کر اخلاف تک عربی واردو میں بہت سے حضرات نے خامہ فرسائی کی اور مختصر ومطول بہت سی شرحیں لکھی گئیں۔

لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہر مؤلف نے معہود ذہنی کے اعتبار سے تشریحی کام کو انجام دیا کسی نے صرف ترجمہ پر اکتفاء کیا تو کسی نے مسائل کے دلائل احادیث سے تخریج کر کے شرح کو روایات کا مجموعہ بنا دیا، کسی نے نحوی صرفی لغوی تحقیقات میں طلبہ وقارئین کو الجھا دیا، حالانکہ یہ کتاب صرف اور

صرف فقہ کی تھی، ضرورت اس بات کی تھی کہ اس فقہی متن پر صرف فقیہانہ گفتگو کی جائے، طلبہ اور قارئین کو فقہ کا ایک مواد فراہم کر دیا جائے تا کہ ان کے اندر تفقہ کی بیج پڑ جائے اور اس کی آبیاری آگے چل کر شرح وقایہ اور کنز الدقائق سے ہو جائے اور ہدایہ میں پہنچ کر وہ بیج تناور درخت کی شکل اختیار کر لے۔

اپنی عمر کے تقریباً چالیس سال کے عرصہ میں فقہ کی دوسری کتابوں کے ساتھ اس متن کو بھی پڑھانے کی نوبت کئی بار آئی اور یہ داعیہ دل میں بار بار پیدا ہوا لیکن کثرت مشاغل اور عدیم الفرصتی نے قلم اٹھانے کا موقع نہیں دیا تا آنکہ ۱۹۸۸ء میں پہلی مرتبہ حج بیت اللہ شریف کی زیارت نصیب ہوئی اور وہیں پر چند وجوہ داعیہ پختہ ہو گیا اور اللہ کا نام لے کر حطیم میں اپنی دیرینہ آرزو کی تکمیل کا آغاز کر دیا، لیکن اس آرزو کو بعض نادان لوگوں کی طرف سے پیدا کردہ حالات نے ایسا دبا دیا کہ وہ تشنۂ تکمیل ہو کر رہ گیا۔

بیس سال کے بعد جب اللہ کی نصرت واعانت سے ان احوال سے یکسوئی ہوئی تو پھر پرانا خواب یاد آیا، چنانچہ سال گذشتہ ۲۰۱۴ء میں اس کام کو پھر شروع کیا اور سفر وحضر ہر حال میں اس کی تکمیل پیش نظر رہی، چنانچہ چند مہینوں کی مکمل کاوش کے بعد اس متن کے ابواب عبادات کی تکمیل ہوگئی، کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوۃ، کتاب الصوم، کتاب الزکوۃ، کتاب الحج کی تکمیل کے بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ کاوش علماء طلباء وقارئین کی نذر کر دینی چاہئے، اس کے بعد نمبر کتاب البیوع سے معاملات کا ہے جو

عبادات سے ہٹ کر مستقل ابواب ہیں۔

اس متن کی تشریح میں راقم السطور نے اس بات کا خصوصی لحاظ رکھا ہے جس کا تذکرہ اوپر کیا جاچکا ہے یعنی عام فہم انداز، نحوی، صرفی، لغوی تکلفات سے ہٹ کر ایک ایسا نیا اسلوب جس سے ایک عام آدمی بھی فقہی مسائل کو بسہولت سمجھ سکتا ہے، اور ایک طالب علم بھی مصنف کے بیان کردہ مسائل کو غیر ضروری امور میں بغیر الجھے ہوئے اپنے دل ودماغ میں بیٹھا سکتا ہے، قدیم مسائل کے ساتھ حوادث الفتاوی اور نوازل کا بھی حکم بالاہتمام بیان کیا گیا ہے، اکثر مسائل کو دلیل کے ساتھ پیش کرنے کا التزام کیا گیا ہے، مختلف فیہ اقوال میں راجح اور مفتی بہ قول کی وضاحت وصراحت کا بھی اہتمام کیا گیا ہے، زبان انتہائی شگفتہ وشستہ رکھی گئی ہے، تاکہ مسائل کے سمجھنے میں کسی بھی طبقہ کو کوئی دقت نہ پیش آئے، دقیق الفاظ ومسائل کی تعبیر کو سہل ترین انداز میں پیش کیا گیا ہے، بے جا موشگافیوں اور تطویل لاطائل سے مکمل احتراز کیا گیا ہے، ہر مسئلہ بالکل بے غبار اور منقح انداز میں بیان کیا گیا ہے، فقہ وتفقہ پر از اول تا آخر مکمل نظر رکھی گئی ہے، اور اس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

الغرض ترتیب میں اس کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ یہ تشریح صرف علماء وطلبہ ہی کے لئے کارآمد نہ ہو، بلکہ عوام الناس بھی اس سے فائدہ اٹھاسکیں، چنانچہ تفہیم مسائل کے لئے عام مساجد میں بھی عوام کو یہ کتاب پڑھ کر سنائی جاسکتی ہے اور وہ بھی امام قدوری کے ذکر کردہ مسائل سے بسہولت مستفید ہوسکتے ہیں، حاصل کلام یہ ہے

کہ راقم السطور نے کتاب کو ہر طبقہ کے لئے قابل استفادہ بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے، اسی وجہ سے پیش روشراح سے ہٹ کر الگ ایک نئی شکل دینے کی مکمل کوشش کی گئی ہے، یہ کوشش کتنی کامیاب ہے یہ تو آپ ہی بتائیں گے۔ ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم وبیش را

مفتی حبیب اللہ قاسمی
شیخ الحدیث وصدر مفتی
بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجر پور
اعظم گڈھ یوپی انڈیا
۴ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
۲۰۱۴/۱۲/۲۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ کتاب ہر پہلو سے امتیازی حیثیت کی حامل ہے

تاثرات حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ العالی

جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی وناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

فقہ حنفی کا ایک اہم ترین متن امام قدوری کی المختصر ہے، جو قدوری کے نام سے معروف ہے، اور جو احناف کی تقریباً تمام ہی دینی درس گاہوں میں داخل نصاب ہے۔ یہ متن جہاں نقل وروایت کے اعتبار سے استناد واعتبار کے اعلی درجہ پر ہے وہیں زبان وبیان کے اعتبار سے بھی نمایاں حیثیت کی حامل ہے، سلیس عبارت، سادہ وعام فہم زبان، حسن ترتیب، ہر پہلو سے امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔ اسی لئے فقہ حنفی کا یہ متن ابتدائی دور ہی سے اہل علم کے درمیان مقبول رہا ہے، اور اس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں، اس پر حواشی تحریر کئے گئے ہیں، اور اس کی تلخیص کی گئی ہے۔

مسلمانوں میں بولی اور سمجھی جانے والی زبانوں میں عربی زبان کے بعد دوسرا درجہ اردو زبان کا ہے، چنانچہ اردو میں بھی درسی نقطۂ نظر سے اس کتاب کی بھی خدمت ہوئی ہے، اسی کتاب پر میرے نہایت ہی قابل احترام دوست اور لائق وفائق عالم

دین، صاحب نظر مصنف اور صاحب نسبت بزرگ حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی زیدلطفہٗ نے خدمت کی ہے، انہوں نے کوشش کی ہے کہ یہ علمی سوغات مدارس تک محدود نہ رہے، بلکہ عام مسلمانوں تک بھی پہنچے، چنانچہ اس طور پر اس کو مرتب کیا ہے کہ پہلے کتاب کا متن ہے، پھر اس کا عام فہم ترجمہ اور اس کی تشریح ہے۔

اس تشریح میں ان نحوی، صرفی اور لغوی بحثوں سے اجتناب کیا گیا ہے جن کی عام طور پر اساتذہ وطلبہ کو ضرورت پیش آتی ہے، اور عوام کے فہم سے بالاتر ہوتی ہے، بلکہ عام فہم انداز پر مسائل کی تشریح کی گئی ہے، راجح اور مفتی بہ اقوال ذکر کئے گئے ہیں، حسب ضرورت جزئیات کا اضافہ کیا گیا ہے، جہاں ضرورت محسوس کی گئی وہاں مسائل کے دلائل بھی بیان کردیئے گئے ہیں، اور جو نئے مسائل پیش آرہے ہیں ان پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ غرض کہ یہ شرح صرف دینی جامعات کے اساتذہ اور طلبہ کو سامنے رکھ کر نہیں لکھی گئی ہے بلکہ اس اہم کتاب کے نفع کو عامۃ المسلمین تک پہنچانے کی سعی کی گئی ہے۔

اس حقیر نے جابجا مطالعہ کی سعادت حاصل کی، اور مقصد کے اعتبار سے مفید کتاب محسوس ہوئی، دعاء ہے کہ اللہ تعالی مؤلف گرامی کی اس کاوش کو قبول فرمائے، اور ان کی دوسری تالیفات کی طرح اس کو بھی پذیرائی حاصل ہو، واللہ ہوالمستعان۔

۲۹ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ　　خالد سیف اللہ رحمانی

۲ مارچ ۲۰۱۴ء　　(خادم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارے محبّ مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی اچھے فقیہ اور مصنف بھی ہیں

تاثرات حضرت مولانا مفتی عبید اللہ اسعدی صاحب مدظلہٗ

(شیخ الحدیث جامعہ عربیہ ہتورا باندہ)

وحضرت مولانا عتیق احمد بستوی صاحب مدظلہٗ

(استاذ فقہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو)

علم فقہ پر دین کا مدار ہے کیونکہ وہ کتاب وسنت کی روح اور لب لباب ہے، اسی لئے ہمارے مدارس کے نصاب کا ایک اہم جزء وبنیاد یہ علم ہے، اس کی چھوٹی وبڑی متعدد کتابیں پڑھی وپڑھائی جاتی ہیں۔

ابتدائی مراحل کی کتابوں میں قدوری نہایت اہم ومہتم بالشان ہے جس کو ہدایہ جیسی کتاب میں متن کی حیثیت دی گئی ہے۔

کتاب کی اس اہمیت کے پیش نظر اس پر عربی میں کام کے ساتھ اردو میں بھی بہت کام ہوا ہے، ہمارے محبّ مخلص مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب کامیاب مدرس، اچھے فقیہ اور مصنف بھی ہیں۔

انہوں نے اس کتاب کی اردوشرح اچھے انداز واسلوب میں تیار کی ہے آج کل طلباء ایسی چیزوں کے متلاشی ومشتاق رہتے ہیں، حق تعالی ان کی کاوش وکوشش کو قبول فرما کر مفید عام فرمائے۔ فقط

عتیق احمد بستوی قاسمی
۲/۳/۲۰۱۴ء

محمد عبید اللہ الاسعدی
(وارد حال جامعہ جمبوسر بھروچ)
۲۹/۴/۱۴۳۵ھ، ۲/۳/۲۰۱۴ء

احب الکلام فی مسئلۃ السلام



یہ کتاب سلام اور مصافحہ اور معانقہ کے ساتھ اس سے متعلق بہت سی جزئیات پر مشتمل قرآن اور احادیث اور اقوال فقہاء کی روشنی میں ایک قیمتی ذخیرہ ہے جس میں موضوع کے ہر گوشہ کا احاطہ کیا گیا ہے اور تفصیل کے ساتھ ہر جزئیہ پر مدلل گفتگو کی گئی ہے، یہ اس خادم کی تیسری تصنیف ہے جو مدرسہ ریاض العلوم کے قیام کے زمانہ میں وجود میں آئی اور حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب نے اس کو بے حد پسند فرمایا، پوری کتاب ایک ایک حرف سننے کے بعد اس کی تصدیق وتصویب فرمائی اور ہمت وحوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اس کی اشاعت کا حکم فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كتاب الطهارة

قال الله تعالى: يا أيها الذين آمنواإذا قمتم إلى الصلاة فاغسلوا وجوهكم وأيديكم إلى المرافق وامسحوا برؤسكم وأرجلكم إلى الكعبين۔

طہارت کے لغوی واصطلاحی معنی کی توضیح:

طہارت کے لغوی معنی نظافت، صفائی، ستھرائی کے ہیں، اصطلاح شریعت میں نجاست، گندگی سے پاک صاف ہونے کا نام طہارت ہے۔ پھر نجاست کی دوقسمیں ہیں: (۱) حقیقیہ، (۲) حکمیہ۔ اول سے مراد پیشاب پائخانہ وغیرہ ہے اور ثانی سے مراد ریاح کا خارج ہونا ہے اسی کی تعبیر دوسرے انداز سے حدث اصغرو اکبر سے کی جاتی ہے۔ حدث اصغر سے طہارت حاصل کرنے کو وضو اور حدث اکبر سے طہارت حاصل کرنے کو غسل کہتے ہیں۔

سوال: عبادات کو غیر عبادات معاملات پر مقدم کیوں کیا؟

جواب: عبادات کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے۔

سوال: عبادات مہتم بالشان کیسے ہیں؟

جواب: انسان وجنات جیسی عظیم الشان مخلوق اسی کے لئے پیدا کی گئی، چنانچہ ارشاد باری ہے: "**وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون**" (میں نے جن اورانسانوں کوصرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا)۔

سوال: عبادات کی بہت سی قسمیں ہیں ان میں سے نماز ہی کو کیوں سب سے پہلے ذکر کیا؟

جواب: چونکہ نماز دین کا ستون ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "**الصلاة عماد الدين**" (نماز دین کا ستون ہے)۔

سوال: جب نماز اتنی اہم عبادت ہے تو اس پر طہارت کو کیوں مقدم کیا؟

جواب: طہارت نماز کی کنجی ہے، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "**مفتاح الصلوة الطهور**" (نماز کی کنجی طہارت ہے)۔

سوال: طہارت کے بہت سے انواع ہیں ان پر وضو کو کیوں مقدم کیا؟

جواب: کثرت تکرار کی وجہ سے، اس عمل کے بار بار کئے جانے کی وجہ سے اس کی ضرورت اشد ہے۔

سوال: جب دلائل ذکر کرنے کی عادت حضرت مصنفؒ کی نہیں ہے پھر یہاں قرآن کریم کی آیت کو کیوں ذکر فرمایا؟

جواب: برکت حاصل کرنے کے لئے (تبرکاً وتیمناً) اللہ پاک کے پاک کلام سے

شروع فرمایا۔

"ففرض الطهارة غسل الأعضاء الثلاثة ومسح الرأس والمرفقان والكعبان تدخلان في فرض الغسل عند علمائنا الثلاثة خلافاً لزفر"۔

فرض کے لغوی واصطلاحی معنی کی تشریح:

ففرض الطهارة: فرض کے لغوی معنی تقدیر کے ہیں، اصطلاح شریعت میں فرض اس امر کو کہتے ہیں جس کا لزوم ایسی دلیل قطعی سے ثابت ہو جس میں شبہ نہ ہو، جیسے اعضاء وضو میں اعضاء مغسولہ کا غسل اور اعضاء ممسوحہ کا مسح یہ باعتبار علم وعمل فرض ہے اس کو فرض قطعی کے ساتھ بھی موسوم کیا جاتا ہے، مصنفؒ کی عبارت میں لفظ فرض یہ فرض قطعی ہی کے معنی میں ہے۔ گو لفظ فرض کبھی دوسرے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

لفظ طہارت کی تحقیق:

الطهارة: لفظ طہارت کا استعمال تین طرح سے ہوتا ہے بفتح الطاء، بضم الطاء، بکسر الطاء، طاء کے فتحہ کے ساتھ یہ مصدر ہے نظافت کے معنی میں ہے اور طاء کے ضمہ کے ساتھ یہ نام ہے اس چیز کا جس سے طہارت حاصل کی جاتی ہے جیسے پانی وغیرہ اور طاء کے کسرہ کے ساتھ اس کا استعمال آلۂ نظافت میں ہوتا ہے یعنی جس کے ذریعہ طہارت حاصل کی جاتی ہے اس کو طِہارت کہتے ہیں۔

وضوء کے اعضاء مغسولہ کا بیان:

غسل: کے لغوی معنی پانی بہانے کے ہیں۔ اعضاء ثلاثہ سے مراد چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں ہیں۔

سوال: اعضاء غَسل کی تعداد تو پانچ ہے چہرہ، دو ہاتھ، دو پاؤں، پھر مصنفؒ نے تین کیسے فرمایا؟

جواب: دو ہاتھ ایک عضو اور دو پاؤں ایک عضو کے درجہ میں ہونے کی وجہ سے مجموعی تعداد تین ہی بنتی ہے۔ اس لئے مصنفؒ نے اعضاء خمسہ کو ثلاثہ سے تعبیر فرمایا ہے (الجوہرۃ النیرۃ)۔

مسح الرأس: سر کے مسح کی فرضیت بھی قرآن کریم سے ثابت ہے، ارشاد باری ہے: ”وامسحوا برؤوسکم.. الآیۃ“۔

المرفقان: مرفق کا تثنیہ ہے مرفق کو اردو میں کہنی کہتے ہیں۔

الکعبان: کعب کا تثنیہ ہے جس کو اردو میں ٹخنہ کہتے ہیں۔ کہنی کا ہاتھ کے ساتھ دھونا اور ٹخنہ کا پاؤں کے ساتھ دھونا گو مختلف فیہ ہے امام زفرؒ دھونے کو ضروری قرار نہیں دیتے اور باقی احناف ضروری قرار دیتے ہیں لیکن تعامل جمہور احناف کے قول پر ہے۔ اعضاء پر دھونے کا اطلاق اسی وقت صحیح ہوگا جب اعضاء مغسولہ سے دو چار قطرے پانی کے بہہ جائیں ورنہ فرضیت ساقط نہ ہوگی (کما فی الفیض)۔

"والمفروض فی مسح الرأس مقدار الناصیة وھو ربع الرأس لما روی المغیرة بن شعبةؓ أن النبیﷺ أتی سباطة قوم فبال وتوضأ ومسح علی الناصیة وخفیه.

وسنن الطھارة غسل الیدین ثلاثاً قبل إدخالھما الإناء إذا استیقظ المتوضی من نومه"۔

سر کے مسح میں مقدار فرض کا بیان:

والمفروض الخ پیشانی کے بقدر یعنی ربع رأس (چوتھائی سر) کا مسح ضروری ہے، جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔

تنبیه: صاحب فتح القدیر ابن ہمام فرماتے ہیں حدیث مغیرہ بن شعبہؓ دو حدیثوں کا مجموعہ ہے:

۱- حضرت مغیرہ ہی کے حوالہ سے امام مسلم نے اس طرح نقل کیا ہے: إنه ﷺ توضأ ومسح بناصیته وعلی الخفین۔

۲- اور دوسری روایت کی تخریج ابن ماجہ نے کی ہے: "إنه ﷺ أتی سباطة قوم فبال قائماً"، لیکن امام قدوری نے دونوں روایتوں کو ایک کر کے ذکر کیا ہے، تاہم اس میں کوئی مضائقہ نہیں اس لئے کہ دونوں روایتیں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ہی کی ہیں۔

وضوء کی سنتوں کا بیان:

فرائض کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اب وضو کے سنن کو مصنفؒ بیان کرر ہے ہیں۔ سنن سنت کی جمع ہے لغوی اعتبار سے سنت کے معنی طریقہ کے آتے ہیں خواہ وہ طریقہ پسندیدہ ہو یا غیر پسندیدہ اور اصطلاح شریعت میں سنت اس عمل کو کہتے ہیں جس پر حضور اکرم ﷺ نے مواظبت کی ہو البتہ کبھی کبھارا سے ترک بھی فرما دیا ہو۔

تنبیه: فرائض کے بعد مصنفؒ نے متصلاً سنن کا بیان شروع کر دیا اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ وضو میں واجبات نہیں ہیں ورنہ مصنفؒ سنن سے قبل واجبات کو ضرور بیان فرماتے۔

ا۔غسل الیدین: دونوں ہاتھوں کا گٹوں تک دھونا۔

قبل إدخالهما الإناء: یہ قید اتفاقی ہے اس لئے کہ اگر برتن میں ہاتھ ڈالنے کی ضرورت نہ ہو تب بھی دونوں ہاتھوں کا دھونا مسنون ہے۔

إذا استيقظ المتوضي من نومه: یہ قید بھی اتفاقی ہے اصح قول کے مطابق ہر حال میں وضو سے قبل ہاتھوں کا دھونا سنت ہے۔قاسم بن قطلو بغا جو ابن ہمام کے تلمیذ رشید ہیں انہوں نے بھی اصح اسی کو قرار دیا ہے صاحب جوہرۃ بھی اسی کے قائل ہیں محیط وتحفہ میں یہی ہے، سارے فقہاء بخاری اسی کے قائل ہیں فتح القدیر میں اسی کو اولی قرار دیا ہے۔

”وتسمية الله تعالى فی ابتداء الوضوء والسواک والمضمضة والاستنشاق“۔

وضوء میں تسمیہ کا حکم:

۲-**تسمية الله الخ:** وضو میں ایک سنت وضو شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھی ہے امام قدوری نے تسمیہ کو وضو کی سنت قرار دیا ہے لیکن صاحب ہدایہ کے نزدیک تسمیہ کا مستحب ہونا ہے۔ تسمیہ سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات فرماتے ہیں: بسم اللہ العلی العظیم والحمد للہ علی دین الإسلام، اور بعض فرماتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ تعوذ کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے۔ صاحب مجتبیٰ کی رائے یہ ہے کہ تسمیہ کے دونوں کلمات پڑھ لے تاکہ دونوں قول پر عمل ہو جائے۔

صاحب محیط فرماتے ہیں کہ اگر وضو کرنے والے نے لا إلہ إلا اللہ یا الحمد للہ یا أشہد أن لا إلہ إلا اللہ کہہ دیا تو بھی سنت کی ادائیگی ہو جائے گی۔

مسواک کی اہمیت:

۳-**والسواک:** وضو کی ایک سنت مضمضہ کے وقت مسواک کرنا ہے الا یہ کہ وضو کے وقت کوئی شخص مسواک کرنا بھول جائے اور نماز کے وقت یاد آئے تو نماز کے وقت مسواک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مندوب ہے۔ گو امام قدوری نے مسواک کو سنن وضو میں شمار کیا ہے لیکن صاحب ہدایہ کی رائے یہ ہے کہ اصح قول کے

مطابق مستحب ہے۔مسواک کے بہت سے فوائد ہیں علامہ ابن عابدین شامی نے رد المختار میں اور علامہ سید احمد طحطاوی نے طحطاوی علی المراقی میں مسواک کے منافع کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔ نیز مسواک کتنی موٹی ہو کس طرح کی جائے، کہاں رکھی جائے رکھنے کا انداز کیا ہو یہ مسائل مراقی الفلاح میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ دنیاوی اعتبار سے مسواک کے منافع میں ایک نفع ایمان پر خاتمہ بھی ہے۔

مضمضہ اوراستنشاق کامفہوم:

۴-والمضمضة: مضمضہ کاحاصل کلی کرنا ہے۔سنن وضو میں ایک سنت کلی کرنا بھی ہے مضمضہ کا طریقہ یہ ہے کہ تین بار پانی لے اور ہر بار پانی کو منہ میں پھرا کر نکال دے۔

۵- والاستنشاق: سنن وضو میں ایک سنت ناک میں پانی ڈالنا ہے، استنشاق کے معنی ہیں سانس کے ذریعہ ناک میں پانی چڑھانا۔

"ومسح الأذنين وتخليل اللحية والأصابع وتكرار الغسل إلى الثلاث"۔

کانوں کےمسح کاحکم:

٦-ومسح الأذنين: سنن وضو میں ایک سنت کانوں کا مسح کرنا ہے۔لیکن سنت یہ ہے کہ کانوں کا مسح سر کے بچے ہوئے پانی سے کیا جائے جیسا کہ صاحب ہدایہ

وعنایہ والحلیہ ، والتاتارخانیہ، وشرح المجمع ، وشرح الدرر نے اس کی تصریح کی ہے۔اور سارے ہی اصحاب متون نے اس کی قید لگائی ہے کہ سر ہی کے بچے ہوئے پانی سے کانوں کا مسح کیا جائے الا یہ کہ انگلیوں کی تری ختم ہوجائے تب نئے پانی کی ضرورت پڑے گی۔ گوفقہاء احناف میں سے علامہ علاء الدین حصکفی ، علامہ شرنبلالی، اورابن نجیم صاحب بحر الرائق اور صاحب نہر نے خلاصہ اور مسکین شرح کنز کی اتباع میں یہ کہہ دیا ہے کہ کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لینا بہتر ہے لیکن ان حضرات کا قول روایت مشہورہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے متروک ہے۔

داڑھی کے خلال کا طریقہ وحکم:

۷-تخلیل اللحیة: سنن وضو میں سے ایک سنت داڑھی کا خلال کرنا بھی ہے تخلیل لحیہ کی سنت کے قائل امام ابو یوسفؒ ہیں حضرت امام ابوحنیفہؒ وامام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے لیکن صاحب مبسوط نے امام ابو یوسفؒ کے قول کوراجح قرار دیا ہے، داڑھی کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی انگلیوں کوحلق کی طرف سے ڈال کر اوپر کی طرف نکال دیا جائے۔

ہاتھ و پاؤں کی انگلی کے خلال کا حکم وطریقہ

۸- والاصابع: انگلیوں کا خلال بھی مسنون ہے، اور خلال اسی وقت مسنون ہے کہ انگلیوں کے بیچ میں پانی پہنچ چکا ہو ورنہ خلال فرض ہے۔

اور ہاتھ کی انگلیوں میں خلال کا طریقہ تشبیک ہے یعنی ایک ہاتھ کی انگلی کو دوسرے ہاتھ کی انگلی میں ڈال دیا جائے۔اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھوٹی والی انگلی سے خلال کرے ابتداء داہنے پاؤں کی چھوٹی انگلی سے کرے اور بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کردے۔

اعضاء مغسولہ کوتین بار دھونے کی حیثیت:

۹-وتکرار الغسل الخ: اعضاء مغسولہ کے دھل جانے کے باوجود تین بار تک دھونا مسنون ہے اور اگر تین بار سے کم میں استیعاب کوترک کردیا گیا تب تکرار مسنون نہیں بلکہ تکرار غسل ضروری ہے۔

انتباہ: تکرار یعنی تین بار اعضاء کو دھونا مسنون ہے اعضاء ممسوحہ کے مسح میں تکرار إلی الثلاث مسنون نہیں بلکہ مسح میں تکرار مکروہ ہے۔اور اگر کوئی شخص اطمینان قلب کے لئے ۳ بار سے زائد اعضاء کو دھونا چاہے تو گو کوئی مضائقہ نہیں تاہم اصل یہ ہے کہ ۳ بار سے آگے نہ بڑھے۔

"ویستحب للمتوضی أن ینوی الطهارة ویستوعب رأسه بالمسح ویرتب الوضوء فیبتدأ بما بدء الله تعالی بذکره وبالمیامن والتوالی ومسح الرقبة.

والمعانی الناقضة للوضوء کل ما خرج من السبیلین"۔

وضو کے مستحبات کا بیان:

۱-**ویستحب الخ:** وضو کرنے والے کے لئے مستحب یہ ہے کہ وضو شروع کرتے وقت طہارت کی نیت کرے، لغوی اعتبار سے مستحب پسندیدہ چیز کو کہتے ہیں اور عرفی اعتبار سے مستحب اس عمل کو کہا جاتا ہے جسے سرکار دو عالم ﷺ نے کبھی کبھار کیا ہو۔
سنن وضوء کے بیان سے فارغ ہوکر اب مصنفؒ وضو کے مستحبات کو بیان فرمارہے ہیں۔

۲-**ویستوعب رأسه الخ:** اور ایک بار پورے سر کا مسح کرنا بھی مستحب ہے۔

۳-**ویرتب الوضوء:** اور وضو کو اسی ترتیب کے مطابق شروع کرنا جس ترتیب سے آیت وضو میں اعضاء کا تذکرہ ہے یہ بھی مستحب ہے، یعنی پہلے چہرہ پھر دونوں ہاتھ کا دھونا اس کے بعد سر کا مسح پھر دونوں پاؤں کا دھونا۔

فائدہ: گو امام قدوریؒ نے امور ثلاثہ یعنی نیت، استیعاب، ترتیب کو مستحب قرار دیا ہے لیکن محیط اور تحفہ میں سنت قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے سنت ہونے کو اصح قرار دیا ہے صاحب فتح القدیر روایۃً ودرایۃً سنت ہونے کے قائل ہیں۔

وبالمیامن: اور مکرر اعضاء میں داہنے عضو کو پہلے دھونا بھی مستحب ہے۔

نواقض وضوء کا بیان::

والمعانی: وضو کے فرائض، سنن، مستحبات کے بیان کے بعد اب مصنفؒ

نواقض وضوکو بیان فرمارہے ہیں، معانی معنی کی جمع ہے معنی اس ذہنی صورت کو کہتے ہیں جس کی تعبیر کے لئے کوئی لفظ موجود ہو۔اس لئے کہ ذہن میں آئی ہوئی صورت کی تعبیر کے لئے کسی نہ کسی لفظ کو اختیار کیا جاتا ہے اسی اعتبار سے معنی کہا جاتا ہے۔

الناقضة للوضوء: یعنی وضوء سے جو مقصود ہے وہ مقصد فوت ہوجائے اس لئے کہ لفظ نقض کا استعمال معانی میں تفویت مقصد کے معنی میں ہوتا ہے۔

کل ما خرج الخ: یعنی پیشاب و پائخانہ کے راستہ سے نکلنے والی ہر چیز ناقض وضو ہے خواہ نکلنے والی چیز معتاد ہو(جیسے پیشاب و پائخانہ) یا غیر معتاد (جیسے خون کیڑا وغیرہ) البتہ پیشاب کے راستہ سے نکلنے والی ریاح ناقض وضو نہیں اسلئے کہ وہ ریاح نہیں بلکہ عضلات کا اختلاج ہے، نیز نجاست کا نکلنا ضروری نہیں بلکہ محض ظہور ناقض ہے گو مصنفؒ نے خرج فرمایا ہے لیکن مراد اس سے ظہور ہے بخلاف غیر سبیلین کے اس لئے کہ غیر سبیلین میں صرف ظہور کافی نہیں بلکہ اپنی جگہ سے سیلان بہنا ضروری ہے۔سبیلین سے مراد پیشاب و پائخانہ کا راستہ ہے"۔

"والدم والقیح، والصدید، إذا خرج من البدن فتجاوز إلی موضع یلحقه حکم التطهیر، والقیئ إذا کان ملأ الفم"۔

خون پیپ کب ناقض وضوء ہے؟

والدم الخ: اورخون پیپ بھی ناقض وضو ہے بشرطیکہ اپنی جگہ سے متجاوز

ہوکراس جگہ تک پہنچ جائے جس کا دھونا ضروری ہے۔ سیلان کا بالفعل متحقق ہونا ضروری نہیں بلکہ اس خارج ہونے والی نجاست میں اتنی قوت ہو کہ اگر اسے روکا نہ جائے تو وہ اپنی جگہ سے آگے نکل جائے، لہٰذا اگر نجاست ظاہر ہوئی اور اس کو کپڑے سے صاف کردیا پھر ظاہر ہوئی پھر صاف کردیا، یہاں تک کہ اتنی مقدار میں نجاست جمع نہیں ہوسکی کہ بہہ سکے لہٰذا اب دیکھا جائے گا کہ اگر اسے صاف نہ کیا جاتا تو کیا یہ نجاست بہہ جاتی اگر بہہ جاتی تو یہ ناقض وضو ہے اور اگر اتنی مقدار میں نہیں ہے تو ناقض نہیں۔

دم، قیح، صدید، کی قید احترازی ہے لہذا اگر صاف پانی پھنسی سے نکلا تو وہ ناقض نہیں اسی طرح اگر جسم سے گوشت کا کوئی حصہ ازخود کٹ کر گر جائے اور خون نہ بہے تو یہ بھی ناقض نہیں جیسے عرق مدنی، اسی طرح اگر کسی نے کوئی چیز کاٹی اور اس پر خون کا اثر پایا گیا تو اس سے وضو اس وقت تک نہیں ٹوٹے گا جب تک سیلان کا تحقق نہ ہو اور تھوک میں سیلان کے تحقق کا معیار یہ ہے کہ تھوک مغلوب اور خون غالب ہوجائے۔

قئ کب ناقض وضوء ہے؟

والقیئ: قئ خواہ کھانے کی ہو یا پانی کی، صفراء کی ہو یا سوداء کی بہرصورت ناقض وضو ہے، البتہ صرف بلغم کی قئ ناقض وضو نہیں۔

ملأ الفم: منہ بھر کر قئ کی مقدار کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ (۱) اتنی مقدار کہ منہ بند نہ ہوسکے۔ (۲) اتنی مقدار کہ بتکلف منہ بند کیا جاسکے۔ قول اول

صحیح ہے اور دوسرا قول اصح ہے۔

اور اگر چند بار تھوڑی تھوڑی مقدار میں قی ہوئی ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اتحاد مجلس کا اعتبار ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک اتحاد سبب معتبر ہے اور اصح ومفتیٰ بہ قول امام محمدؒ کا ہے لہذا اتحاد سبب کی صورت میں متفرق کو جمع کیا جائے گا یعنی دیکھا جائے گا کہ اگر ایکبار یہ قی ہوتی تو منہ بھر جاتا یا نہیں اگر ظن غالب یہ ہو کہ یہ منہ بھر کر ہے تب تو ناقض ہے ورنہ نہیں۔

”والنوم مضطجعاً أو متكئاً أو مستنداً إلى شيئ لو أزيل لسقط عنه والغلبة على العقل بالإغماء، والجنون والقهقهة فى كل صلوة ذات ركوع وسجود. وفرض الغسل المضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن“۔

نواقض حکمی کا بیان:

والنوم: ناقض حقیقی کے بیان کے بعد ناقض حکمی کو بیان فرمارہے ہیں۔

”نوم مضطجعاً زمین پر پہلو کے بل لیٹنے کو کہتے ہیں۔ اور ”متکئاً“ سرین کے حصہ کے سہارے لیٹنا، یا کسی ایسی چیز کے سہارے لیٹنا کہ اگر سہارا ہٹا دیا جائے تو سونے والا گر جائے۔ یہ تینوں صورتیں ناقض وضو ہیں اس لئے کہ استرخاء مفاصل ان صورتوں میں ہو جاتا ہے اور استرخاء مفاصل مظنہ خروج ریح ہے اس لئے نوم ہی کو

ناقض قرار دیدیا گیا۔

والغلبة: اغماء ایسی آفت ہے جس سے انسان مغلوب العقل ہوجائے۔
جنون، ایسی آفت ہے جس سے انسان مسلوب العقل ہوجائے۔

قهقهه: اتنے زور کی ہنسی کہ پڑوس والے سن لیں خواہ دانت ظاہر ہوں یا نہ ہوں بشرطیکہ بالغ سے صادر ہونا بالغ کا قہقہہ مفسد صلوۃ وناقض وضونہیں، اور بیداری کی حالت میں صادر ہوا گر نماز ہی میں سوگیا اور نیند میں زور سے ہنس پڑا تو اس سے نہ نماز فاسد ہوگی اور نہ وضوٹوٹے گا اور نماز بھی رکوع وسجدہ والی ہو یعنی کامل ومکمل نماز ہو البتہ خواہ فرض ہو یا واجب، سنت ہو یا نفل لہذا اگر نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت میں قہقہہ لگادیا تو وضونہیں ٹوٹے گا البتہ نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت باطل ہوجائے گا۔

غسل کے فرائض کا بیان:

فرض الغسل: ضابطہ یہ ہے کہ جب لفظ غسل کی اضافت مغسول کی طرف ہو تو بفتح الغین استعمال ہوتا ہے جیسے **غسل المیت غسل الثوب** اور جب غیر مغسول کی طرف اضافت ہو تو بضم الغین استعمال ہوتا ہے جیسے غسل الجمعۃ، غسل الجنابۃ یہاں پر لفظ غسل بضم الغین ہے جس کے معنی ہیں پورے بدن کو دھونا اور بفتح الغین غسل مصدر ہے جس کے معنی ہیں دھونا۔

غسل کے فرائض صرف تین ہیں: (۱) مضمضہ یعنی حلق تک پانی پہنچانا،

(۲) استنشاق یعنی ناک کے نرم حصہ تک پانی پہنچانا، (۳) بغیر حرج ودشواری کے بلاتکلف جہاں تک پانی کا پہنچانا ممکن ہو اس کو دھونا، جیسے کان کا ظاہری وباطنی حصہ، ناف کا اندرونی حصہ، مونچھ، بھنو، داڑھی کے اندر کا حصہ، سر کے بال، فرج خارج، اور جہاں پانی پہنچانے میں حرج ہو اس کو دھونا ضروری نہیں جیسے آنکھ کے اندر کا حصہ، وہ سوراخ جس کا منھ بند ہو گیا ہو، قلفہ کا اندرونی حصہ بلکہ ابن ہمام صاحب فتح القدیر کی تصریح کے مطابق اس کا دھونا مستحب ہے۔

"وسنة الغسل أن يبدأ المغتسل بغسل يديه وفرجه ويزيل النجاسة إن كانت على بدنه ثم يتوضأ وضوئه للصلوة إلا رجليه ثم يفيض الماء على رأسه وعلى سائر بدنه ثلاثاً ثم يتنحى عن ذلك المكان فيغسل رجليه، وليس على المرأة أن تنقض ضفائرها فى الغسل إذا بلغ الماء أصول الشعر"۔

غسل کی سنتوں کا بیان:

وسنة الغسل: غسل کے فرائض سے فارغ ہو کر اب غسل کی سنتوں کو بیان فرمارہے ہیں۔ غسل کرنے والا پہلے اپنے ہاتھوں کو گٹوں تک دھوئے اور اپنی شرمگاہ کو دھوئے اگرچہ اس پر نجاست نہ ہو اور بدن پر کہیں نجاست لگی ہو تو اس کو پانی سے دھو کر صاف کرے پھر نماز کی طرح وضو کرے یعنی اس وضو میں سر کا کانوں کا اور گردن کا مسح بھی

کرے، البتہ پاؤں نہ دھوئے بشرطیکہ ایسی جگہ غسل کررہا ہو جہاں غسل کا پانی جمع ہورہا ہو لیکن اگر کسی پتھر یا لکڑی پر یا پختہ فرش پر غسل کررہا ہو جہاں پانی جمع نہ ہوتا ہو بلکہ فوراً بہہ جاتا ہو تب پاؤں کے دھونے کو موخر نہ کرے بلکہ غسل سے پہلے ہی دھولے۔

غسل کا طریقہ:

وضو سے فارغ ہوکر پورے بدن پر پانی بہائے اس طور پر کہ پہلے سر پر پانی ڈالے اس کے بعد داہنے مونڈھے پر اس کے بعد بائیں مونڈھے پر اسی ترتیب کے مطابق تین بار پورے بدن پر پانی بہائے اس کے بعد اپنے پاؤں کو دھولے اگر ایسی جگہ غسل کررہا تھا جہاں پانی جمع ہورہا ہو ورنہ دوبارہ پاؤں دھونے کی کوئی ضرورت نہیں۔

عورت کے غسل کا طریقہ:

ولیس علی المرأة الخ: اب عورت کے لئے ایک خاص استثنائی مسئلہ بیان فرمارہے ہیں کہ عورت نے اگر بالوں کی چوٹی بنارکھی ہے تو اس چوٹی کو کھول کر ایک ایک بال کو دھونا ضروری نہیں بلکہ ان کے لئے صرف یہ ضروری ہے کہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچ جائے لہذا اگر چوٹی بندھی ہوئی رہنے کی حالت میں جڑوں میں پانی پہنچ گیا تو غسل صحیح ہوجائے گا ورنہ چوٹی کھول کر پھر ایک ایک بال کا دھونا ضروری ہے۔

اور اگر کسی مرد نے اپنے بالوں کی چوٹی بنالی تو اس کے لئے ہر حال میں چوٹی

کھول کر سر اور بال کا دھونا ضروری ہے۔

"والمعانی الموجبة للغسل إنزال المنی علی وجه الدفق والشهوة من الرجل والمرأة والتقاء الختانین من غیر إنزال و الحیض والنفاس"۔

موجبات غسل کا بیان:

والمعانی الخ: غسل کی سنتوں کے بیان کے بعد اب موجبات غسل کو مصنف بیان فرمارہے ہیں۔ موجبات غسل میں منی کا نکلنا ہے، منی ایسے گاڑھے سفید پانی کو کہتے ہیں جو لذت کے ساتھ کود کر نکلے اور اس کے بعد ذکر سست پڑ جائے اس کی بوتر ہونے کے وقت آٹے جیسی ہوتی ہے اور خشک ہونے پر انڈے جیسی ہوتی ہے۔ منی جب اپنے مستقر یعنی کمر سے جدا ہو اس وقت شہوت کا پایا جانا ضروری ہے خواہ ذکر سے شہوت کے ساتھ نکلے یا بغیر شہوت کے لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ذکر سے بھی شہوت کے ساتھ نکلنا ضروری ہے لہٰذا اگر منی نکلی اور ذکر کے منہ کو زور سے دبالیا یہاں تک کہ شہوت ختم ہوگئی اور ذکر ڈھیلا پڑ گیا اس کے بعد ذکر کے منہ کو چھوڑا تب منی باہر آئی تو اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ غسل واجب ہوگیا اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ غسل واجب نہیں ہوا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص صحبت سے فارغ ہو کر نہ پیشاب کرے نہ سوئے اور غسل کر لے اس کے بعد پھر منی نکل آئے تو امام ابوحنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک دوبارہ غسل کرنا ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک

دوبارہ غسل نہیں کرنا ہوگا۔اوراگر پیشاب کرنے کے بعد یا سوکر بیدار ہونے کے بعد غسل کیا اس کے بعد پھر منی نکل آئی تو بالاتفاق غسل کا اعادہ نہیں ہے۔منی کا نکلنا موجب غسل ہے خواہ مرد کی ہو یا عورت کی۔سونے کی حالت میں ہو یا بیداری میں۔ عورتوں میں بھی مادہ منویہ موجود ہوتا ہے اس لئے عورتوں کو بھی احتلام ہوسکتا ہے جس طرح مرد کو احتلام ہوتا ہے۔

تنبیه: منی کو ذکر کا منہ دبا کر روکنا بے انتہاء مضر ہے، اس لئے اس سے بچنا ضروری ہے۔

والتقاء الختانين الخ: ختانین، ختان کا تثنیہ ہے ذکر وفرج کے اس جگہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جسے کاٹ دیا جاتا ہے۔التقاء سے مراد حشفہ کا غائب ہونا ہے خواہ فرج میں ہو یا دبر میں لہٰذا اگر حشفہ یا مقدار حشفہ فرج میں یا دبر میں غائب ہوگیا خواہ انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو غسل واجب ہوجائے گا اور اگر کسی کا حشفہ کٹا ہوا ہو تو حشفہ کے بقدر ذکر کے غائب ہونے پر غسل واجب ہوگا۔

حیض ونفاس سے مراد حیض ونفاس کا آنا ہے لہذا دم حیض یا نفاس کے آتے ہوئے غسل سے پاکی حاصل نہ ہوگی جب تک خون بند نہ ہوجائے۔

"وسن رسول الله ﷺ الغسل للجمعة والعيدين والإحرام وعرفة وليس فى المذى والودى غسل وفيهما الوضوء.

والطهارة من الاحداث جائزة بماء السماء والأودية والعيون

والآبار وماء البحار"۔

جن کاموں کے لئے غسل سنت ہے اس کا بیان:

وسن الخ: موجبات غسل کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اب ان اعمال کو بیان فرمارہے ہیں کہ جن کے لئے غسل کرنا سنت ہے۔ (۱) جمعہ، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ غسل نماز جمعہ کے لئے ہے لہذا جس پر جمعہ کی نماز نہ ہو جیسے دیہات والے ان کے لئے یہ غسل نہیں ہے لیکن حسن بن زیاد اس کو جمعہ کے دن کی سنت قرار دیتے ہیں لہذا دیہاتی کے لئے بھی یہ غسل مسنون ہے۔ (۲) عیدین، اس سے عیدالفطر، عیدالاضحیٰ مراد ہے نماز سے قبل غسل کرنا مسنون ہے۔ (۳) احرام، خواہ حج کا احرام ہو یا عمرہ کا دونوں کے لئے غسل سنت ہے اسی طرح عرفہ کے دن میدان عرفہ میں دوپہر کے وقت زوال کے بعد غسل کرنا مسنون ہے۔

تنبیہ: صاحب ہدایہ نے جمعہ، عیدین، احرام کے لئے غسل کو مستحب قرار دیا ہے اور مصنفؒ نے سنت قرار دیا ہے۔

ان چیزوں کا بیان جن کے نکلنے سے غسل واجب نہیں:

ولیس الخ: یہاں سے مصنفؒ ذکر سے نکلنے والی چیزوں میں سے ان چیزوں کو بیان فرمارہے ہیں جن سے غسل واجب نہیں ہوتا۔

۱- مذی، مذی میں تین لغات ہیں: (۱) بسکون الذال، (۲) بکسر الذال مع

تشدید الذال، (۳) بکسر الذال مع تخفیف الذال۔ مذی اس سفید پتلے پانی کو کہتے ہیں جو ملاعبت کے وقت نکلتا ہے۔

۲- ودی، اسے بھی مخفف اور مشدد دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔ ودی اس گاڑھے زرد پانی کو کہتے ہیں جو پیشاب سے پہلے یا بعد میں نکلتا ہے۔

مذی یا ودی اگر نکلے تو اس سے وضو واجب ہوتا ہے جس طرح پیشاب کے نکلنے کے بعد صرف وضو واجب ہوتا ہے غسل نہیں۔

آلۂ طہارت کا بیان:

والطھارۃ: موجبات وضوو غسل کے بیان کے بعد اب آلہ طہارت کو بیان فرمارہے ہیں۔ احداث، حدث کی جمع ہے، احداث عام ہے اصغر و اکبر دونوں کو اسی طرح انجاس بھی اس میں داخل ہے لہذا احداث کی قید اتفاقی ہے تخصیص کے لئے نہیں، (۱) آسمان کا پانی خواہ بارش ہو یا اولہ اور پگھلا ہوا برف ہو، (۲) اودیہ وادی کی جمع ہے اس سے مراد وہ نشیبی جگہ ہے جہاں بہاؤ کا پانی جمع ہو جائے خواہ پہاڑ کے دامن میں ہو یا اس کے علاوہ ہو، (۳) عیون، عین کی جمع ہے یہ لفظ مشترک ہے لیکن یہاں مراد پانی کا چشمہ ہے جو زمین سے نکلے، (۴) آبار، بئر کی جمع ہے کنواں، جہاں چشمہ کا پانی جمع رہتا ہے۔ ابحار، بحر کی جمع ہے، بحر کی جمع ابحار کے علاوہ ابحر، بحور بھی آتی ہے جس کے معنی سمندر کے ہیں۔ بحر بر کی ضد ہے وسعت و گہرائی کی وجہ سے اسے بحر کہا

جاتا ہے اور نہر عظیم بڑی نہر پر بھی بحر کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ شاید مصنفؒ نے بحار جمع کا صیغہ اسی وجہ سے استعمال کیا ہے تاکہ بڑی نہر کو بھی یہ شامل ہو جائے۔ اگر چہ بحر جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد کھارے پانی کا مرکز یعنی سمندر ہوا کرتا ہے۔

"ولا تجوز الطهارة بماء اعتصر من الشجر والثمر ولا بماء غلب عليه غيره فأخرجه عن طبع الماء كالأشربة والخل والمرق وماء الباقلاء وماء الورد وماء الزردج"۔

ان چیزوں کا بیان جس سے طہارت حاصل نہیں ہوتی:

جس پانی سے طہارت حاصل ہو سکتی ہے اس کے بیان کے بعد اب اس کو بیان کر رہے ہیں جس سے طہارت حاصل نہیں ہو سکتی۔

ولا تجوز الخ: لا تصح کے معنی میں ہے یعنی طہارت صحیح نہیں ہے۔ بما اعتصر میں ما مقصور ہے ممدود نہیں چونکہ ما موصولہ ہے اعتصر اعتصار سے ماخوذ ہے جس کے معنی نچوڑنے کے ہیں اس سے غالباً اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر بغیر نچوڑے خود بخود پھل سے پانی ٹپکے اور وہ جمع ہو جائے تو اس کو طہارت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں اسی کے قائل صاحب ہدایہ بھی ہیں، "لأنه خرج بغير علاج" لیکن محیط میں عدم جواز کی تصریح موجود ہے یعنی متقاطر من الشجر (جیسے انگور) سے طہارت حاصل کرنا درست نہیں، قاضیخان نے اسی پر جزم کیا ہے ابراہیم حلبی نے اسی کو اوجہ قرار

دیا ہے، شرنبلالیہ میں برہان کے حوالہ سے اس کا اظہر ہونا منقول ہے، قہستانی نے اسی پر اعتماد کیا ہے اسی طرح اگر پانی پر کسی طاہر جامد چیز کا غلبہ ہوجائے اس حد تک کہ پانی کی طبیعت یعنی رقت وسیلان زائل ہوجائے یا اس کا مستقل نام پڑ جائے تب بھی اس سے طہارت حاصل نہیں ہوسکتی۔

نوٹ: جامد کی قید اس وجہ سے لگائی ہے کہ مخالط اگر مائع ہو تو اعتبار غلبہ کا ہوگا لیکن اعتبار غلبہ میں فرق ہے۔ اگر مخالط مخالط بہ کے اوصاف ثلاثہ کے موافق ہو جیسے ماء مستعمل تو اجزاء کا اعتبار ہوگا اور اگر مخالف ہو جیسے سرکہ تو اکثر حصہ کے ظہور کا اعتبار ہوگا۔

اور اگر دو ہی وصف ہوں مثلاً لون وطعم جیسے دودھ تو ایک وصف کا اعتبار ہوگا۔ اسی طرح اگر اس کا مستقل نام پڑ گیا۔ جیسے نبیذ تمر تب بھی اس سے طہارت جائز نہیں۔

کالأشربة: اصول مذکورہ بالا پر علی الترتیب مثالیں بیان فرمارہے ہیں۔

اشربه: یہ مثال ہے، "ما اعتصر" کی اشربہ سے مراد وہ مشروب ہے جو درختوں اور پھلوں سے حاصل کیا گیا ہو جیسے شربت ریواس وشربت انار۔

"خل" سرکہ "**ما اعتصر من التمر**" کی بھی مثال بن سکتی ہے، اور "غلب علیہ غیرہ" حتی صار لہ اسماً آخر کی بھی۔

"**ماء الباقلاء الخ**" لوبیے کا پانی جب لوبیا پانی میں ڈال کر اتنا پکایا جائے کہ جب وہ ٹھنڈا ہو تو جم جائے۔ "مرق" شوربا "**احدث له اسماً علی حدة**" کی مثال ہے۔

"ماء الزردج" صحیح قول کے مطابق یہ ماء زعفران کے درجہ میں ہے، صاحب ہدایہ نے اس کی تصریح کی ہے۔علامہ ناطفی اور سرخسی کا یہی قول مختار ہے۔

"وتجوز الطهارة بماء خالطه شيئ طاهر فغير أحد أوصافه كماء المد والماء الذى يختلط به الأشنان والصابون والزعفران وكل ماء دائم إذا وقعت فيه نجاسة لم يجز الوضوء به قليلاً كان أو كثيراً لأن النبىﷺ أمر بحفظ الماء من النجاسة فقال لا يبولن أحدكم فى الماء الدائم ولا يغتسلن فيه من الجنابة وقال عليه السلام: إذا استيقظ أحدكم من منامه الخ (الحديث)"۔

اگر پاک چیز مل جائے تو اس پانی سے کب تک طہار حاصل کرنا درست ہے؟

وتحوز الطهارة: اورطہارت جائز ہے ایسے پانی سے جس سے کوئی جامد پاک چیز مل جائے اور اس کے اوصاف ثلاثہ میں سے کسی ایک وصف کومتغیر کردے۔ لیکن پانی کی طبیعت متاثر نہ ہوا پنی حالت پر باقی رہے۔

أحد أوصافه: سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اگر دویا تینوں اوصاف متغیر کردیا تو وضو جائز نہیں ہے چاہے مغیِّر طاہر ہی کیوں نہ ہو۔لیکن صحیح قول کے مطابق اس سے وضو جائز ہے۔ کما فی الجوهرة عن المستصفی۔

ماء مد: سے مراد سیلاب کا پانی ہے اس میں مٹی درخت کے پتے اور

درخت کے پائے جانے کے باوجود جب تک رقت غالب ہو اس سے وضو کرنا جائز ہے چاہے اس کے اوصاف ثلاثہ متغیر ہو جائیں۔ ہاں البتہ اگر مٹی غالب ہو گئی تو رقت یقیناً متاثر ہو جائے گی اس کے بعد اس سے وضو کرنا جائز نہ ہوگا۔

اسی طرح اس پانی سے بھی وضو کرنا جائز ہے جس میں اشنان (ایک خاص قسم کی گھاس ہے) یا صابون یا زعفران ہو بشرطیکہ رقت وسیلان باقی ہو اس لئے کہ جب تک رقت وسیلان باقی ہے اس کو پانی ہی کہا جائے گا اور اس انداز کی چیزوں سے احتراز بھی ممکن نہیں اس لئے جب تک پانی کی طبیعت اور نام باقی ہو وضو کرنا جائز رہے گا۔

و کل ماء الخ: اور جس پانی میں نجاست گر جائے اس سے وضو جائز نہیں چونکہ نجاست کے گرنے کی وجہ سے پانی ناپاک ہو گیا خواہ پانی کم ہو یا زیادہ خواہ اس کے اوصاف میں تغیر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو بشرطیکہ پانی جاری نہ ہو اور دہ دردہ نہ ہو۔ اگر پانی جاری ہے یا غدیر عظیم ہے تو اس کا حکم آرہا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے پانی کی حفاظت کا حکم ماء دائم میں پیشاب سے منع کی صورت میں دیا ہے اس لئے کہ کسی چیز سے روکنا اس کی ضد کا حکم ہوا کرتا ہے۔

"وأما الماء الجارى إذا وقعت فيه نجاسة جاز الوضوء منه إذا لم يرلها أثر لأنها لا تستقر مع جريان الماء والغدير العظيم الذى لا يتحرك أحد طرفيه بتحريك الطرف الآخر إذا وقعت فى أحد

جانبیه نجاسة جاز الوضوء من الجانب الآخر لأن الظاهر أن النجاسة لا تصل إليه"۔

ماءجاری کاحکم:

وأما ماء الجاری: ماء جاری اس پانی کو کہتے ہیں جومکرر استعمال نہ ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جو تنکے کو بہا لیجائے (ہدایہ)، تیسرا قول یہ ہے کہ جس کو لوگ جاری سمجھتے ہوں۔ تیسرے قول کو اصح قرار دیا گیا ہے (فتح القدیر)۔

إذا لم یر لها أثر: یعنی نجاست کا کوئی اثر رنگ مزہ، بو پانی میں نہ ہو۔

لأنها لا تستقر الخ: صاحب جوہرہ فرماتے ہیں بشرطیکہ نجاست مائع ہو اور اگر مائع نہیں مثلاً کوئی جانور ہے مرا ہوا اور پانی اس کے پورے بدن یا اکثر حصہ یا نصف حصہ پر سے بہہ رہا ہو تو باوجودیکہ پانی جاری ہے لیکن اس پانی کا استعمال جائز نہیں اور اگر پانی میتہ کے نصف سے کم حصہ پر سے بہہ رہا ہو تو استعمال کرسکتے ہیں بشرطیکہ اس میں نجاست کا کوئی اثر نہ ہو۔

بڑے تالاب کا تعارف اور حکم:

الغدیر العظیم: غدیر عظیم بڑا تالاب کس کو کہتے ہیں؟ ایک طرف کی حرکت دوسری طرف اگر نہ پہنچے تو وہ غدیر عظیم کہلائے گا، لیکن ایک دوسری تعریف یہ

ہے کہ پانی کی اتنی مقدار جو مبتلی بہ کے خیال میں ماء کثیر اور غدیر عظیم ہو وہی دراصل غدیر عظیم ہے اس قول میں اس کی تحدید مبتلی بہ کے حوالہ ہے اس کا فیصلہ حرف آخر ہے اسی کو ظاہر الروایہ قرار دیا گیا ہے اور صاحب لباب کے نزدیک ظاہر الروایہ ہی اولی ہے لیکن صاحب ہدایہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ بعض حضرات فقہاء نے تیسیر اعلی الناس لوگوں کی سہولت کے لئے عشر فی عشر دہ دردہ سے اس کی تحدید کی ہے اگرچہ امام محمدؒ اسباب میں یہ فرماتے ہیں: **إنی لا أوقت فی ذلک شیئاً** کہ میں ماء کثیر کے بارے میں کوئی تحدید نہیں کرتا تاہم مفتی بہ قول وہی ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے اور یہی بات فتاوی خانیہ وفتاوی عتابی اور جوہرہ میں بھی ہے اور یہ تحدید وتوقیت ان لوگوں کے حق میں یقیناً اسہل واضبط ہے جو قوت فیصلہ سے محروم ہیں گہرائی کے بارے میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اتنا پانی ہو کہ چلو سے پانی لینے پر اس کی زمین نظر نہ آئے اور گہرائی کے سلسلہ میں یہی قول صحیح اور مفتی بہ ہے۔

”وموت ما لیس له نفس سائلة فی الماء لا یفسد الماء کالبق والذباب والزنابیر والعقارب وموت ما یعیش فی الماء لا یفسد الماء کالسمک والضفدع والسرطان والماء المستعمل لا یجوز استعماله فی طهارة الأحداث والماء المستعمل کل ماء أزیل به حدث أو استعمل فی البدن علی وجه القربة“۔

ایسا جانور جس میں بہنے والا خون نہ ہو وہ اگر پانی میں مر جائے یا گر جائے تو اس کا حکم:

وموت الخ: پانی یا کسی بھی مائع بہنے والی چیز میں ایسا جانور مر جائے یا باہر مر گیا پھر اس کو ڈال دیا جس کا جسم دم سائل بہنے والے خون سے خالی ہے بایں طور کہ اس میں اتنا خون ہی نہیں کہ نکل کر بہہ سکے تو اس سے پانی و مائع ناپاک نہیں ہوگا اس لئے کہ ناپاک کرنے والی چیز دم مسفوح ہے اسی وجہ سے حلال کرنے کے بعد جانور کا گوشت پاک ہو جاتا ہے چونکہ ذبیحہ شرعیہ کے بعد اس کا خون نکل جاتا ہے۔

کالبق: یہاں سے مصنفؒ ان جانوروں کو بیان فرما رہے ہیں جو دم سائل سے عاری ہوتے ہیں جیسے پسّو، مکھی، بھڑ، بچھو۔اسی طرح ان جانوروں کا مرنا مفسد ماء و مائع نہیں جو پانی ہی میں پیدا ہوئے اور پانی ہی زندگی کا محور ہے جیسے مچھلی، پانی کا مینڈک، کیکڑا وغیرہا اور اگر جانور ایسا ہے جو پانی میں پیدا نہیں ہوا البتہ پانی ضروریات زندگی میں سے ہے جیسے بطخ تو اس کا پانی میں مرنا یا مرنے کے بعد اس میں گرنا مفسد ہے۔

ماء مستعمل کی تعریف اور حکم:

والماء المستعمل: ماء مستعمل ہر وہ پانی ہے جس سے حدث کا ازالہ کیا

گیا ہو خواہ قربت کی نیت سے ہو یا بلا نیت یا علی وجہ القربۃ بدن پر استعمال کیا گیا ہو خواہ
حدث کا ازالہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ حضرت مصنفؒ نے ماء مستعمل کی جو تعریف کی ہے
صاحب ہدایہ نے اسے صرف امام ابو یوسفؒ کا قول قرار دیا ہے البتہ بعض حضرات اسی
کو امام ابو حنیفہؒ کا بھی قول قرار دیتے ہیں لیکن امام محمدؒ کے نزدیک پانی کے مستعمل
ہونے کی شرط یہ ہے کہ بنیت قربت اسے استعمال کیا گیا ہو ان کے نزدیک مستعمل
ہونے کی علت گناہوں کی نجاست کا پانی میں منتقل ہونا ہے اور گناہ قربت کی نیت کے
بعد ہی زائل ہوتے ہیں، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مستعمل ہونے کی علت مذکورہ بالا
علت کے ساتھ مسقط فرض بھی ایک مستقل علت ہے، لہذا مستعمل قرار دینے میں
دونوں علتیں موثر ہوں گی۔ البتہ یہ ذہن میں رہے کہ پانی مفتی بہ قول کے مطابق بدن
سے جدا ہوتے ہی مستعمل ہو جائے گا مستعمل ہونے کے لئے جدا ہو کر جمع ہونا
ضروری نہیں۔ ماء مستعمل کی تعریف کے بعد اب اس کا حکم سنئے صاحب جوہرہ فرماتے
ہیں کہ اس میں اختلاف ہے۔ (۱) پہلا قول نجاست غلیظہ کا ہے یہ روایت حسن عن ابی
حنیفہ ہے لیکن اس کو بعید جداً قرار دیا گیا ہے، (۲) دوسرا قول نجاست خفیفہ کا ہے یہ
روایت ابی یوسفؒ عن اُبی حنیفہؒ ہے، مشائخ بلخ نے اسی کو اختیار کیا ہے، (۳) تیسرا
قول طاہر غیر مطہر کا ہے یعنی خود تو پاک ہے لیکن احداث کے لئے مطہر (پاک کرنے
والا) نہیں، جیسے سرکہ طاہر ہے لیکن مطہر نہیں ہاں البتہ صحیح و مفتی بہ قول کے مطابق
انجاس کے لئے مطہر ہے نجاست دور کی جا سکتی ہے یہ روایت محمد عن ابی حنیفہؒ ہے۔ فقیہ

صدر حسام الدین نے الکبری میں تیسرے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔فقیہ فخر الاسلام نے شرح الجامع میں اسی کو ظاہر الروایہ اور مختار قرار دیا ہے مشائخ عراق کا قول مختار یہی ہے۔یہی صحیح ہے۔

أو استعمل فی البدن: بدن کی قید اس وجہ سے لگائی گئی ہے چونکہ پانی اگر کسی جامد چیز پر استعمال کیا گیا مثلاً ہانڈی کپڑا وغیرہ تو وہ مستعمل نہیں ہوگا۔

"وکل إهاب دبغ فقد طهر جازت الصلوة فيه والوضوء منه إلا جلد الخنزير والآدمی"۔

دباغت کا حکم:

دباغت سے پہلے کچی کھال کو اہاب کہا جاتا ہے دباغت کے بعد اس کو ادیم کہتے ہیں دباغت سے مراد ایسی چیز کا استعمال ہے جو مانع نتن وفساد ہو یعنی بدبو دور ہوجائے اور کھال سڑنے سے محفوظ ہوجائے دباغت خواہ حقیقیہ ہو یا حکمیہ تتریب وتشمیس یعنی مٹی کے ذریعہ اور دھوپ میں سکھا کر بدبو اور فساد کو ختم کردیا جاتا ہے تو چونکہ مقصود دباغت سے بدبو اور فساد کو دور کرنا ہے اس لئے یہ جس طرح بھی حاصل ہو قابل قبول ہوگا۔

مصنفؒ بطور کلیہ یہ مسئلہ بیان فرمارہے ہیں کہ خنزیر اور انسان کی کھال کے علاوہ ہر کچی کھال دباغت کے بعد پاک ہوجاتی ہے لیکن یہ ذہن میں رہے کہ جس

طرح دباغت سے کھال پاک ہوجاتی ہے اسی طرح شرعی طریقہ پر ذبح کرنے کے بعد بھی کھال پاک ہوجاتی ہے لہذا اس کو پہن کر آپ نماز پڑھ سکتے ہیں اس کو بچھا کر مصلی بنا کر اس پر نماز ادا کر سکتے ہیں اس سے ڈول مشکیزہ بنا کر اس میں پانی رکھ کر اس سے وضو کر سکتے ہیں۔الغرض ہر نوع سے اس کو استعمال کر سکتے ہیں۔

انسان اور خنزیر کی کھال کا حکم:

البتہ خنزیر کی کھال نجاست عینیہ (حقیقیہ) کی وجہ سے اور انسان کی کھال کرامت وشرافت الٰہیہ کی وجہ سے کسی بھی حال میں استعمال نہیں کی جاسکتی۔اسی طرح ہر وہ کھال جو دباغت کے قابل نہ ہو جیسے چھوٹی سی چوہیا کی کھال وہ بھی استثنائی صورت میں داخل ہے۔معتمد قول کے مطابق کتے اور ہاتھی کی کھال بھی دباغت کے بعد پاک ہوجاتی ہے۔

"وشعر المیتۃ وعظمها وحافرها وعصبها وقرنها طاهر"۔

مردار جانور کی کن چیزوں کا استعمال درست ہے:

مردار جانور کی چند چیزیں پاک ہیں ان کو استعمال کیا جاسکتا ہے:(۱) کٹے ہوئے بال لیکن خنزیر کے بال اس میں داخل نہیں خنزیر کے بال بھی ناپاک ہوتے ہیں،البتہ بعض فقہاء نے ضرورۃً صرف خرازین کے لئے اجازت دی ہے لیکن امام ابو یوسفؒ اس کے لئے بھی مکروہ قرار دیتے ہیں (۲) ہڈی،(۳) سینگ بشرطیکہ دسومت چربی سے خالی ہو اس

لئے کہ مردار کی چربی بھی گوشت کی طرح حرام ہے، (۴) کُھر، (۵) پٹھے مشہور قول کے مطابق الغرض ہر وہ چیز جس میں حیات سرایت نہیں کرتی اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح انسان کے بال اور اس کی ہڈیاں بھی پاک ہیں (کمافی الھدایہ)۔

"وإذا وقعت في البئر نجاسة نزحت وكان نزح ما فيها من الماء طهارة لها"۔

کنویں کے احکامات:

یہاں سے مصنفؒ کنویں کے مسائل بیان فرمارہے ہیں۔ اصولی طور پر یہ بات ذہن میں رہے کہ کنویں کے مسائل مکمل آثار کے تابع ہیں قیاس کا اس میں کوئی دخل نہیں (ہدایہ)۔

چھوٹے کنویں میں حیوان کے علاوہ بہنے والی کوئی نجاست گر جائے خواہ وہ غلیظہ ہو یا خفیفہ یا غیر مائع جامد نجاست گر جائے، بشرطیکہ غلیظہ ہو (اس لئے کہ نجاست جامدہ خفیفہ مثلاً مینگنی لید کی قلیل مقدار ضرورۃً معاف ہے)، ہاں البتہ کثیر مفسد ہے اور معتمد قول کے مطابق کثیر وہ ہے جسے دیکھنے والے کثیر زیادہ کہیں نیز مینگنی لید خواہ خشک ہو یا تر صحیح وسالم ہو یا شکستہ اس لئے کہ بنیاد عفو ضرورت ہے اور ضرورت ان میں سے ہر ایک پر مشتمل ہے لہٰذا عفو میں عموم ہونا چاہئے) (ہدایہ)، تو کنویں کا پانی نکالا جائے گا کب اور کتنا نکالا جائے گا؟ یہ تفصیل آگے آرہی ہے اور پانی کا نکالنا جیسے باقی ماندہ

پانی کے لئے مطہر ہے اسی طرح پانی نکالنے والے کے ہاتھ پاؤں، رسی ڈول، پتھر، گارے کے لئے بھی مطہر ہے (جوہرہ)۔ لہذا اس کے بعد مستقلاً ڈول رسی وغیرہ کو پاک کرنے کی ضرورت نہیں۔

"فإن ماتت فيها فارة أو عصفورة أو صعوة أو سودانية أو سام أبرص نزح منها ما بين عشرين دلواً إلى ثلاثين دلواً بحسب كبر الحيوان وصغره"۔

کنویں میں گرنے والے جانور کا حکم:

اب یہاں سے حیوانات کا حکم بیان فرما رہے ہیں پہلے چند الفاظ کی تشریح ذہن نشیں کرلیں، صعوۃ تمرۃ کے وزن پر ہے، سرخ سر والی چھوٹی سی چڑیا۔ سودانیہ، ایک مشت کے بقدر لمبی دم والا چھوٹا سا پرندہ سامّ میم کی تشدید کے ساتھ سام ابرص گرگٹ اسے ابو بریص بھی کہا جاتا ہے کبر صغر حرف اول کے ضمہ اور حرف ثانی کے سکون کے ساتھ اس کا اطلاق جثہ پر ہوتا ہے اور یہی یہاں مراد ہے اور حرف اول کے کسرہ اور حرف ثانی کے فتحہ کے ساتھ اس کا اطلاق عمر پر ہوتا ہے۔

اب مسئلہ سمجھئے اگر کنویں میں چوہا، چڑیا، گرگٹ یا اس کے جسم و جثہ کے بقدر کوئی جانور گر جائے اور اسی میں مر جائے یا باہر مر کر اس میں گر جائے یا ڈال دیا جائے تو اس جانور کو کنویں سے نکال کر بیس سے تیں ڈول تک پانی نکالے البتہ بیس ڈول کا

نکالنا واجب ہے، اس کے بعد تیس تک نکالنا مستحب ہے (ہدایہ)۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب چوہا خود سے گرا ہو اگر بلی نے دوڑایا اور بھاگتے ہوئے کنویں میں گر گیا یا زخمی حالت میں گرا تو پورے پانی کا نکالنا ضروری ہے چاہے چوہا زندہ نکل آئے چونکہ چوہا جب بلی کے خوف سے بھاگتا ہے تو اس کا پیشاب خطا کر جاتا ہے اور پیشاب ناپاک ہے اسی طرح زخمی حالت میں گرنے سے دم سائل پانی میں ضرور شامل ہوگا اور دم سائل بھی ناپاک ہے (جوہرہ)۔ اسی طرح جب بلی کتے کے خوف سے بھاگی اور کنویں میں گر گئی یا زخمی حالت میں گر گئی تو خواہ زندہ ہی کیوں نہ نکال لی گئی ہو لیکن پورے پانی کا نکالنا ضروری ہے۔

ایک بات اور ذہن نشیں کر لیں وہ یہ کہ ایک سے لے کر چار چوہوں تک کا حکم ایک ہی چوہے کا ہے اور پانچ چوہوں سے لے کر نو چوہوں تک کا حکم بلی کی طرح ہے اور دس چوہے کتے کے برابر ہیں لہذا کتے کے گرنے پر جتنا پانی نکالا جائے گا اتنا ہی دس چوہوں کے گرنے پر نکالا جائے گا۔

"وإن ماتت فيها حمامة أو دجاجة أو سنور نزح منها ما بين أربعين دلواً إلى خمسين"۔

کنویں سے چالیس سے پچاس ڈول پانی کب نکالا جائے گا؟

اگر کنویں میں کبوتر یا مرغی یا بلی گر جائے تو جانور کو نکالنے کے بعد چالیس

سے پچاس ڈول تک پانی کنویں سے نکالا جائے گا، لیکن جامع صغیر میں چالیس یا پچاس ڈول ہے اور یہی قول اظہر یعنی مفتی بہ ہے (ہدایہ)، اور اگر ایک بلی کے بجائے دو بلی یا دو مرغی یا دو کبوتر گر جائے تب کنویں کا پورا پانی نکالا جائے گا (جوہرہ)۔

"وإن مات فيها كلب أو شاة أو آدمي نزح جميع ما فيها من الماء"۔

کنویں کا پورا پانی کب نکالا جائے گا؟

اگر کنویں میں کتا گر کر مر جائے مرنے کی قید اس وجہ سے لگائی گئی ہے کہ اگر زندہ نکل آئے اور اس کا منھ پانی کو نہ لگا ہو تو پانی ناپاک نہ ہوگا (شرنبلالی) اور اگر گرنے والے جانور کا لعاب پانی میں گر جائے تو جو حکم لعاب کا ہوگا وہی حکم پانی کا ہوگا اگر لعاب ناپاک ہو تو پانی بھی ناپاک ہو جائے گا لہذا اگر کتے کا لعاب پانی میں گر گیا تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر بکری گرے اور مر جائے یا انسان گرے اور مر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا کنویں کا پورا پانی نکالا جائے گا۔

"وإن انتفخ الحيوان فيها أو تفسخ نزح جميع ما فيها من الماء صغر الحيوان أو كبر"۔

اور اگر جانور پھول یا پھٹ گیا خواہ کنویں میں گرنے کے بعد مر کر پھولا پھٹا ہو یا باہر مر کر پھول پھٹ گیا ہو اور پھر وہ کنویں میں کسی طرح گر گیا ہو تو کنویں کا پورا پانی نکالا جائے گا جانور خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس لئے کہ پھولنے پھٹنے کے بعد جانور کے

اجزاء پانی میں منتشر ہوجاتے ہیں اور وہ ناپاک ہیں (ہدایہ)۔

"وعدد الدلاء يعتبر بالأوسط المستعمل للآبار في البلدان"۔

کس ڈول کا اعتبار ہوگا؟

ڈول کی تعداد میں اوسط ڈول معتبر ہے اور اوسط ڈول وہ ہے جو اکثر شہروں کے اکثر کنویں پر استعمال کیا جاتا ہو، اس لئے کہ روایات میں ڈول مطلق ہے لہذا حسب ضابطہ زعم اغلب پر اس کو محمول کیا جائے گا۔ لیکن صاحب ہدایہ فرماتے ہیں ہر کنویں پر وہ ڈول معتبر ہوگا جس سے لوگ اس کنویں سے پانی نکالتے ہوں۔ اور ایک قول کے مطابق وہ ڈول معتبر ہے جس میں ایک صاع پانی آتا ہو اسی قول کو بہت سے فقہاء نے اختیار کیا ہے۔

"فإن نزح منها بدلو عظيم قدر ما يسع عشرين دلواً من الدلو الوسط احتسب به"۔

اگر چھوٹے ڈول کے بجائے بڑے ڈول کے ذریعہ چند بار میں بقدر واجب پانی نکال دیا گیا مثلاً ساٹھ ڈول نکالنا تھا ایسے ڈول سے تین ڈول نکال دیا گیا جس میں بیس ڈول کے بقدر پانی آتا ہے تو یہ بھی کافی ہے چونکہ مقصود اس سے بھی حاصل ہوگیا نیز تقاطر بھی کم ہوا۔

"وإن كانت البئر معيناً لا تنزح ووجب نزح ما فيها من الماء

أخرجوا مقدار ما فيها من الماء وقد روى عن محمد بن الحسن أنه قال ينزح منها مائتا دلو إلى ثلاث مائة دلو"۔

اگر کنویں میں چشمہ ہو تو کیا کرنا ہوگا؟

اگر کنواں ایسا ہو جس میں نیچے چشمہ ہو پانی برابر اس سے نکلتا ہو جس کی وجہ سے کنویں کا خشک کرنا ممکن نہ ہو حالانکہ اس میں جانور کے مرنے یا پھولنے پھٹنے کی وجہ سے پورے کنویں کا پانی نکالنا واجب ہو تو ابتداء میں جتنا پانی کنویں میں ہو اسی کے بقدر نکالنا ضروری ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کنویں کے اندر کوئی چیز ڈال کر پانی کی گہرائی کا اندازہ لگالیا جائے اسکے بعد کنویں کے قریب اسی کے بقدر گول اور گہرا گڈھا کھودلیا جائے پھر کنویں سے پانی نکال کر اس گڈھے کو بھر دیا جائے گڈھے کے بقدر پانی نکال دینے کے بعد کنویں کو پاک تصور کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ بھی اور دوسرے طریقے ہیں جو فقہ کی بڑی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن اس کے قائل حضرت امام ابو یوسفؒ ہیں۔ حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں ایسے کنویں سے دوسو سے تین سو ڈول تک پانی نکال دیا جائے تو کنواں پاک ہو جائے گا۔ بغداد کے کنویں کے بارے میں امام محمدؒ نے یہی فتوی دیا تھا چونکہ دجلہ کی مجاورت کی وجہ سے وہاں کے کنویں میں بھی نیچے سے مسلسل پانی آتا رہتا تھا جس کی وجہ سے خشک کرنا ممکن نہ تھا (سراج الوہاج)۔ دوسو یا تین سو ڈول تحدید کے ساتھ کہنے کے بجائے یہ فرمایا دوسو سے تین سو ڈول تک

پانی نکال دیا جائے اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ دوسو ڈول تو بہر حال ضروری ہے اس کے بعد البتہ اختیار ہے لیکن اگر کسی نے تین سوڈول نکال دیا تو یہ مندوب ہے چنانچہ مبسوط کی عبارت سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن حضرت امام محمدؒ کی ایک روایت نوادر میں یہ ہے کہ تین سوڈول نکالے یا دوسو یعنی یہاں پر دوسو مقدم ہے اور نوادر کی روایت میں تین سو مقدم ہے البتہ یہاں کی عبارت یہ ہے کہ دوسو سے تین سوڈول تک نکالے اور نوادر کی روایت میں یہ ہے کہ تین سو یا دوسوڈول نکالے اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ دوسو کے بعد سوڈول اختیاری ہے لازمی نہیں۔ عنایہ میں اس کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی روایت قرار دیا ہے لیکن مفتی بہ اور مختار وایسر قول یہی ہے (اختیار)۔ حضرات مشائخ حنفیہ بھی امام محمدؒ ہی کے قول کو اختیار فرماتے تھے چونکہ یہ قول منضبط اور آسان ہے جیسے حوض کبیر کی تحدید کے سلسلہ میں عشر فی عشر دہ دردہ کے قول کو تیسیراً آسانی کے لئے اختیار کیا گیا ہے (نہر)۔

”وإذا وجد في البئر فارة ميتة أو غيرها ولا يدرون متى وقعت ولم تنتفخ ولم تنفسخ أعادوا صلاة يوم وليلة إذا كانوا توضؤا منها وغسلوا كل شيئ أصابه ماء ها“۔

ایک دن اور ایک رات کی نماز کا اعادہ کب ضروری ہے؟

اگر کنویں میں مردہ چوہایا اس کے علاوہ کوئی ایسا جانور ملا جس کے مرنے سے

کنواں ناپاک ہوجاتا ہو، جیسے کتا، بکری، انسان، اور یہ معلوم نہ ہو کہ جانور کب گرا اور نہ ہی اس کے گرنے کے سلسلہ میں کوئی ظن غالب ہو لیکن جانور صرف مرا ہو پھولا پھٹا نہ ہو تو اس کنویں کے پانی سے جتنے لوگوں نے حدث کو دور کرنے کے لئے وضو کیا ہو یا ناپاک کپڑے کو پاک کر کے پہن کر نماز پڑھی ہو وہ سب دوسرے پانی سے وضو کر کے ایک دن اور رات کی نمازوں کا اعادہ کریں اور کپڑوں کو دوبارہ پاک کریں اسی طرح جتنی چیزوں کو اس کا پانی لگا ہو سب کو دوبارہ دھوئیں۔ لیکن اگر اس پانی سے کسی نے وضو علی الوضوء کیا ہو تب بالاجماع نماز کا اعادہ نہیں ہے (جوہرہ)۔

”وإن انتفخت أو تفسخت أعادوا صلاة ثلاثة أيام ولياليها في قول أبي حنيفةؒ وقال أبويوسف ومحمدؒ ليس عليهم إعادة شيئ حتى يتحققوا متى وقعت“۔

تین دن اور تین رات کی نماز کا اعادہ کب کرنا ہوگا؟

اگر گرنے والا جانور کنویں میں پھول پھٹ گیا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق تین دن اور تین رات کی نمازوں کا اعادہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ یہاں پر موت کا سبب ظاہری پانی میں گرنا ہے لہذا اس موت کو پانی میں گرنے پر ہی محمول کیا جائے گا اور پھولنا پھٹنا دلیل تقادم ہے یعنی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جانور دیر کا اس میں گرا ہوا ہے اسی وجہ سے پھول پھٹ گیا ہے لہذا تین دن و تین رات پہلے

اس کا گرنا مانا جائے گا اور جہاں انتفاخ معدوم ہو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کے گرنے کا زمانہ قریب ہے لہٰذا ایک دن و ایک رات پیشگی اس کا گرنا مانا جائے گا اس لئے کہ اس سے کم تو چند گھنٹے ہوں گے اور ان کا انضباط ممکن نہیں اس لئے گھنٹوں کا اعتبار نہیں کیا گیا (ہدایہ)۔ حضرات صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ جب تک جانور کے گرنے کی تحقیق نہ ہو جائے کہ یہ جانور کب گرا ہے اس وقت تک ایک بھی نماز کا اعادہ ان کے ذمہ لازم نہیں اس لئے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے کپڑے میں نجاست دیکھے اور یہ پتہ نہیں کہ یہ نجاست کب لگی ہے تو جب تک نجاست کے لگنے کا وقت متحقق نہ ہو جائے اس وقت تک کسی نماز کا اعادہ نہیں (ہدایہ)۔ فتاوی عتابی میں صاحبین ہی کے قول کو مختار و مفتی بہ قرار دیا ہے لیکن برہانی، نفی، موصل، صدر الشریعہ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول پر اعتماد کیا ہے اور اپنے مصنفات میں ان حضرات نے امام صاحب ہی کی دلیل کو ترجیح دی ہے۔ صاحب بدائع الصنائع علامہ علاء الدین کاسانی نے صاحبین کے قول کو قیاس اور حضرت امام صاحب کے قول کو استحسان اور باب عبادات میں احوط قرار دیا ہے۔

"وسور الآدمی وما یؤکل لحمه طاهر وسور الکلب والخنزیر وسباع البهائم نجس وسور الهرة والدجاجة المخلاة وسباع الطیور وما یسکن فی البیوت مثل الحیة والفارة مکروه وسور الحمار والبغل مشکوک"۔

جوٹھے کا حکم:

سور پینے کے بعد بچے ہوئے پانی کو کہتے ہیں۔اب یہاں سے حضرت مصنفؒ سور کے احکامات بیان فرمارہے ہیں۔انسان اور وہ تمام جانور جن کا گوشت حلال ہے ان سب کا جوٹھا پاک ہے گھوڑے کا جوٹھا بھی حضرات صاحبین کے قول کے مطابق پاک ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی صحیح قول کے مطابق پاک ہے امام صاحب اس کے کھانے کو شرافت وکرامت کی وجہ سے مکروہ کہتے ہیں نجاست کی وجہ سے نہیں (ہدایہ)۔یہ بات ذہن میں رہے کہ پاک جوٹھا ماء مطلق کے درجہ میں ہے لہٰذا جتنے کام ماء مطلق سے کئے جاسکتے ہیں وہ سارے کام پاک جوٹھے سے بھی کئے جاسکتے ہیں۔

کتا،خنزیر،اور چیرنے پھاڑنے والے جانوروں کا جوٹھا ناپاک ہے آبادی میں رہنے والی بلی،چھٹی ہوئی مرغی،پنجے سے شکار کرنے والے پرندے،اور گھروں میں رہنے والے جانور جیسے سانپ،چوہا وغیرہ کا جوٹھا طاہر مطہر ہے لیکن مکروہ ہے،اگر اس کے علاوہ دوسرا پانی ہو تو اس کا استعمال مکروہ تنزیہی ہے اور اگر دوسرا پانی نہ ہو تو اس کے استعمال میں کوئی کراہیت نہیں۔

گدھا،خچر کے جوٹھے کی طہوریت مشکوک ہے اس کی طہارت میں کوئی شک نہیں (ہدایہ)۔

”فإن لم یجد الانسان غیرهما توضأ بهما وتیمم وبأیهما بدأ جاز“۔

لہٰذا اگر گدھے اور خچر کے جوٹھے کے علاوہ دوسرا پانی نہ ہوتو اس سے وضو یا غسل کرلے لیکن تیمّم بھی کرلے البتہ اصح قول کے مطابق اختیار ہے چاہے پہلے وضو کرے پھر تیمّم یا پہلے تیمّم کرے پھر وضو۔

☆☆☆

باب التیمم

”ومن لم یجد الماء وهو مسافر أو خارج المصر بینه وبین المصر نحو المیل أو أکثر او کان یجد الماء إلا أنه مریض فخاف إن استعمل الماء اشتد مرضه أو خاف الجنب أن اغتسل بالماء أن یقتله البرد أو یمرضه فإنه یتیمم بالصعید“۔

تیمّم کے احکام:

طہارت اصلیہ یعنی پانی کے احکامات بیان فرمانے کے بعد اب مصنفؒ اس کے نائب مٹی کے ذریعہ تیمّم کے احکامات بیان فرمارہے ہیں اس لئے کہ نائب ہمیشہ اصل کے بعد ہی آیا کرتا ہے۔

تیمّم کے لغوی معنی قصد (ارادہ) کے ہیں اصطلاح شریعت میں تیمّم کہتے ہیں قربت کی ادائیگی کے لئے پاک مٹی کا قصد کرنا مخصوص طریقہ پر۔

تیمّم قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے جس کی تفصیل فقہ کی بڑی کتابوں میں آپ پڑھیں گے۔

کوئی شخص مسافر ہو یا شہر کے باہر ہو اور اس کے اور شہر کے درمیان جس میں

پانی ہےتقریباً ایک میل یااس سے زائد کا فاصلہ ہوتو وہ تیمّم کرسکتا ہےمقدار فاصلہ کے سلسلہ میں گواور بھی اقوال ہیں مگر مختار قول ایک میل کا ہے(ہدایہ)،اور میل کے لغوی معنی منتہاء بصر کے ہیں،لیکن میل سے مراداس جگہ چار ہزار قدم ہیں۔اسی طرح اگر کوئی شہر میں ہولیکن پانی میسر نہ ہوگوشہر عام طور پر پانی سے خالی نہیں ہوتے اس وجہ سے مصنفؒ نے خارج المصر کی قید لگائی ہےاور پانی ونمازی کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہوتب بھی تیمّم جائز ہےاس لئے کہ جواز وصحت تیمّم کے لئے پانی کا مفقود ہونا شرط ہےتیسیراًاس کی تحدیدایک میل سے کی گئی ہےلہذا فقدان ماء کا جہاں بھی تحقق ہو وہاں تیمّم جائز ہے خواہ شہر ہو یا خارج شہر۔بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ شہر سے اتنے فاصلہ پر ہوکہ وہاں تک اذان کی آواز نہ پہنچتی ہوتب تیمّم کرنا جائز ہے۔اور بعض فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ اگر پانی سامنے ہوتو دومیل کا فاصلہ معتبر ہےاور اگر پیچھے یا دائیں یا بائیں ہوتو ایک میل کا فاصلہ معتبر ہے۔حضرت امام زفرؒفرماتے ہیں کہ اگر پانی تک وقت کے نکلنے سے پہلے پہنچنا ممکن ہوتو اس کے لئے تیمّم جائز نہیں ورنہ جائز ہے خواہ پانی قریب ہو یا بعید۔حضرت امام ابو یوسفؒفرماتے ہیں کہ اگر پانی اتنے فاصلہ پر ہو کہ وہاں وضوء کے لئے جانے سے قافلہ اس کی نظر سے اوجھل ہوجائے گا اور یہ تنہا پڑجائے گا تب اس کے لئے تیمّم کرنا جائز ہے(الجوہرۃ النیرۃ)۔

اوراکثر کی قید سے اشارہ ہےاس بات کی طرف کہ اگر اندازہ ایک میل سے کم کا ہوتب تیمّم کرنا جائز نہیں اور اگر ایک میل کا یقین ہوتب تیمّم کرنا جائز ہے(جوہرہ)۔

مریض کے لئے تیمّم کا حکم:

اسی طرح اگر کوئی شخص مریض ہو اور غلبہ ظن یا تجربہ کار مسلمان حکیم یا ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق پانی کا استعمال اس کے لئے نقصان دہ ہو بایں طور کہ پانی استعمال کرنے کی وجہ سے اس کے مرض میں اضافہ ہو جائے گا یا بیماری طول پکڑ جائے گی تو تیمّم کرکے وہ نماز ادا کرلے نماز قضاء کرنے کی اجازت نہیں البتہ تیمّم کرنے کی اجازت ہے۔

یا کوئی شخص جنبی ہو اور ٹھنڈک کا موسم ہو گرم پانی میسر نہ ہو اور جنبی کو اندیشہ ہو کہ اگر میں نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا تو میری جان چلی جائے گی یا میں سخت بیمار ہو جاؤں گا ایسی صورت میں تیمّم کرکے جنبی نماز ادا کرلے نماز قضاء نہ کرے لیکن جنبی کو تیمّم کی اجازت مذکورہ بالا صورت میں اس وقت ہے جب وہ شہر کے باہر ہو اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں لیکن اگر وہ شہر میں ہو تو حضرت امام ابوحنیفہؒ تیمّم کی اجازت دیتے ہیں، البتہ حضرات صاحبین تیمّم کی اجازت نہیں دیتے اس لئے کہ شہر میں عام طور پر گرم پانی سہولت سے مل جاتا ہے (جوہرہ)۔ اور اگر کوئی شخص شہر میں ہو اور ٹھنڈے پانی سے غسل کے بجائے صرف وضو کرنا ہو لیکن ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے میں جان کے جانے یا بیمار ہونے کا اندیشہ ہو تو بالاتفاق اس کو تیمّم کی اجازت ہے (المستصفی)۔

"والتيمم ضربتان يمسح باحداهما وجهه بالأخرى يديه إلى

المرفقين والتيمم من الجنابة والحدث سواء"۔

تیمّم کا طریقہ:

تیمّم کی دوضربیں ہیں اور یہ دوضربیں تیمّم کے رکن ہیں، ایک ضرب سے تیمّم کرنے والا چہرہ کا مسح کرے لیکن یہ ذہن میں رہے کہ بال برابر بھی جگہ ایسی رہ گئی جہاں ہاتھ نہیں پہنچ سکا تو تیمّم درست نہ ہوگا اس لئے چہرہ کے جتنے حصہ کا وضو میں دھونا ضروری ہے اتنے حصہ پر مکمل ہاتھ پھیرے۔اور دوسری ضرب سے دونوں ہاتھوں کا مسح کرے کہنیوں سمیت، استیعاب کی شرط اس وجہ سے لگائی گئی ہے چونکہ تیمّم وضو کا نائب ہے لہذا جس طرح وضو میں بال برابر جگہ بھی خشک نہیں رہنی چاہئے اسی طرح تیمّم میں بھی اعضاء ممسوحہ کی کوئی جگہ ایسی نہ ہو جہاں ہاتھ نہ پہنچے (ہدایہ)۔اسی وجہ سے حضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ تیمّم میں انگلیوں میں خلال بھی کرے اور انگوٹھی نکال کر انگوٹھی کی جگہ پر ہاتھ پھیرے تاکہ مسح مکمل ہوجائے۔

تیمّم خواہ جنابت سے ہو یا حدث سے حیض سے ہو یا نفاس سے فعل اور نیت کے اعتبار سے سب برابر ہیں یعنی نیت ہر ایک کی کرنی ہے اور ہر ایک میں دو ہی ضربیں ہیں ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری ضرب ہاتھ کے لئے۔

"ويجوز التيمم عند أبي حنيفة ومحمد بكل ما كان من جنس الأرض كالتراب والرمل والحجر والجص والنورة والكحل والزرنيخ

وقال أبو یوسفؒ لا یجوز إلا بالتراب والرمل خاصة"۔

تیمّم کن چیزوں سے جائز ہے؟

حضرت امام ابوحنیفہؒ ومحمدؒ کے نزدیک تیمّم ہر اس چیز سے جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو اور زمین کی جنس سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ پگھلانے سے نہ پگھلے اور جلانے سے نہ جلے اگر وہ پگھل گئی یا جل کر راکھ ہوگئی تو وہ جنس ارض سے نہیں کہلائے گی۔ کالتراب سے مصنفؒ نے اس کی مثالیں بیان کی ہیں لیکن مثال میں تراب (مٹی) کو سب سے پہلے بیان کیا چونکہ اس سے تیمّم کرنا متفق علیہ ہے باقی میں اختلاف ہے، بالو، پتھر، عمارت کا چونہ، بال صفا چونہ، سرمہ، ہڑتال ان سب سے تیمّم کرنا جائز ہے چونکہ یہ چیزیں زمین کی جنس سے ہیں۔ ان پر تیمّم کے لئے غبار کا ہونا ضروری نہیں خواہ غبار ہو یا نہ ہو۔ نیز حضرت امام ابوحنیفہؒ ومحمدؒ کے نزدیک خالص مٹی کے ہوتے ہوئے غبار سے تیمّم جائز ہے (ہدایہ)۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف مٹی اور بالو سے تیمّم جائز ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ صرف مٹی سے تیمّم جائز ہے، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ یہ اختلاف اسی وقت ہے جب بالو، پتھر، سرمہ وغیرہ کے ساتھ مٹی بھی ہو، لیکن اگر مٹی نہ ہو صرف پتھر ہو یا صرف سرمہ ہو یا صرف چونا ہو تب حضرت امام ابو یوسفؒ بھی جواز کے قائل ہیں، یعنی اس سے تیمّم کرنا جائز ہے (الجوہرۃ النیرہ)۔

"والنية فرض فی التيمم و مستحبة فی الوضو"۔

تیمّم میں نیت کا حکم:

تیمّم میں نیت فرض ہے چونکہ مٹی اپنی ذات کے اعتبار سے ملوث ہے نیت ہی کے ذریعہ وہ مطہر بن سکتی ہے، لیکن وضو میں نیت مستحب ہے اس لئے کہ پانی اپنی ذات کے اعتبار سے مطہر ہے لہذا تطہیر کی نیت کی ضرورت نہیں بغیر نیت کے طہارت حاصل ہو جائے گی۔

"وينقض التيمم كل شيئ ينقض الوضوء وينقضه أيضاً رؤية الماء إذا قدر على استعماله"۔

نواقض تیمّم کا بیان:

تیمّم کے لئے وہ ساری چیزیں ناقض ہیں جو ناقض وضو ہیں اس لئے کہ تیمّم وضو کا نائب ہے لہٰذا تیمّم کا وہی حکم ہوگا جو وضو کا ہے، لہذا جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان چیزوں سے تیمّم بھی ٹوٹ جائے گا۔

البتہ نواقض وضو کے علاوہ پانی کا دیکھنا بھی ناقض تیمّم ہے، بشرطیکہ متیمم وضو کرنے پر قادر ہو اور پانی اتنا ہو کہ اس سے وضو مکمل ہو سکتا ہو۔ خواہ پانی کے استعمال پر حقیقۃً قادر ہو یا تقدیراً لہٰذا اگر متیمم سونے کی حالت میں پانی کے پاس سے گذر گیا تب بھی اس کا تیمّم باطل ہو جائے گا اس لئے کہ یہ تقدیراً پانی کے استعمال پر قادر ہے۔ لیکن

اگرکوئی شخص پانی کے قریب ہواوراس کے استعمال پر قادر بھی ہولیکن پانی لینے سے کوئی دشمن یا درندہ یا شیر مانع ہوتب بھی وہ تیمّم کرسکتا ہےاس لئے کہ یہ حکماً عاجز ہے(ہدایہ)۔

”ولا يجوز التيمم إلا بصعيد طاهر ويستحب لمن لم يجد الماء وهويرجو أن يجده في آخر الوقت أن يوخر الصلاة إلى آخر الوقت فإن وجد الماء توضأ به وصلى وإلا تيمم“۔

تیمّم کے لئے مٹی کا پاک ہونا ضروری ہے:

نص قطعی ہےفإن لم تجدوا ماء فتيمموا صعيداً طيباً اوراس آیت میں طیب سے مراد بالا جماع طاہر ہےلہٰذا پاک مٹی ہی سے تیمّم جائز ہے چونکہ مٹی آلۂ تطہیر ہےلہٰذا اس کا اپنی ذات کے اعتبار سے بھی طاہر ہونا ضروری ہے تا کہ وہ آلہ تطہیر بن سکے جس طرح پانی کا طاہر ہونا ضروری ہے(ہدایہ)،البتہ مٹی استعمال سے مستعمل نہیں ہوتی لہٰذا اگر کسی شخص نے مٹی کے ایک ڈلے سے تیمّم کیا اور دوسرے شخص نے پھراسی مٹی سے تیمّم کرلیا تو جائز ہے تیمّم درست ہے۔

سفر کی حالت میں نماز اول وقت میں پڑھنا افضل ہے؟

ایک شخص ہے جس کے پاس پانی نہیں لیکن اس کو امید ہے کہ وقت مستحب کے اخیر تک پانی مل جائے گا تو اس کے لئے نماز موخر کر کے پانی کا انتظار کرنا مستحب ہے، پھر اگر پانی مل گیا تو اس سے وضوء کر کے نماز پڑھے تا کہ نماز کی ادائیگی اکمل

طہارت کے ذریعہ ہوجائے اور اگر پانی نہیں ملا تو وقت مستحب سے تاخیر نہ کرے بلکہ تیمّم کر کے نماز ادا کرے۔ اور اگر مذکورہ بالا صورت میں انتظار کرنے کے بجائے تیمّم کر کے نماز ادا کر لی تو نماز ہوجائے گی بشرطیکہ نمازی اور پانی کے درمیان ایک میل یا اس سے زیادہ کا فاصلہ ہو اور اگر میل سے کم فاصلہ ہو پھر نماز نہیں ہوگی۔

حضرت امام قدوریؒ کے بیان کردہ مسئلہ سے ایک دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ نماز کو سفر کی حالت میں اول وقت میں ادا کرنا افضل ہے الا یہ کہ تاخیر تکثیر جماعت کو متضمن ہو تب تاخیر افضل ہے۔

"ویصلی بتیممه ما شاء من الفرائض والنوافل"۔

تیمّم سے جتنے چاہے فرائض ونوافل ادا کرے:

متیمم تیمّم سے جتنے چاہے فرائض ونوافل ادا کرے، لیکن حضرت امام شافعیؒ ہر فرض کے لئے جدید تیمّم کو واجب قرار دیتے ہیں چونکہ تیمّم طہارت ضروریہ ہے لہذا ضرورت کے پوری ہونے کے بعد تیمّم ختم ہوجائے گا البتہ متعدد نوافل ادا کئے جاسکتے ہیں چونکہ نوافل فرض کے تابع ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تیمّم طہارت مطلقہ ہے لہٰذا ایک تیمّم سے متعدد فرائض ادا کئے جاسکتے ہیں چونکہ تیمّم کی مشروعیت فقدان ماء کے ساتھ مقید ہے، **"فإن لم تجدوا ماء فتيمموا صعيداً طيباً"** لہذا جب تک پانی مفقود رہے گا تیمّم کے ذریعہ حاصل شدہ طہارت باقی رہے گی اور اس کی

تائید اللہ کے رسول ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے، "التراب طهور المسلم ولو إلى عشر حجج ما لم يجد الماء"۔

"ويجوز التيمم للصحيح المقيم إذا حضرت جنازة والولي غيره فخاف ان اشتغل بالطهارة أن تفوته الصلاة فإنه يتيمم ويصلي"۔

پانی کے ہوتے ہوئے تیمّم کب جائز ہے؟

ایک شخص پانی کے استعمال پر قادر بھی ہے اور پانی بھی موجود ہے لیکن اگر وہ وضو کرنے میں مشغول ہوگا تو جنازہ کی نماز فوت ہوجائے گی تو یہ تیمّم کرکے جنازہ کی نماز ادا کرسکتا ہے چونکہ جنازہ کی نماز کی قضاء نہیں ہے لیکن اس تیمّم سے وہ فرائض نوافل وغیرہ نہیں ادا کرسکتا چونکہ تیمّم اس وقت اس کے لئے طہارت مطلقہ نہیں ہے، اور اگر یہ صورت جنازہ کے ولی کو پیش آئے تو اس کو تیمّم کی اجازت نہیں چونکہ اس کو دوبارہ جنازہ کی نماز پڑھنے کا حق ہے (ہدایہ)۔

اور اگر معاملہ غیر شہر جنگل وغیر آباد جگہ کا ہو تو وہاں عام طور پر پانی مفقود ہوتا ہے اس لئے جنازہ کی موجودگی کی شرط وہاں نہ ہوگی۔

"وكذلك من حضر العيد فخاف ان اشتغل بالطهارة أن تفوته صلاة العيدين فإنه يتيمم ويصلي"۔

عیدین کے لئے بھی تیمّم کی اجازت ہے؟

اسی طرح اگر کوئی شخص عید کی نماز ادا کرنے کے لئے عیدگاہ آیا اور اس کا وضو ٹوٹ گیا اور نماز بالکل تیار ہے، اس کو اندیشہ ہے کہ اگر میں وضو میں مشغول ہوا تو نماز عید فوت ہو جائے گی ایسا شخص تیمّم کرکے نماز عید ادا کرسکتا ہے اس لئے کہ نماز عید کی بھی قضاء نہیں ہے۔

"وإن خاف من شهد الجمعة ان اشتغل بالطهارة أن تفوته صلاة الجمعة لم يتيمم ولكنه يتوضأ فإن أدرك الجمعة صلاها وإلا صلى الظهر أربعاً"۔

جمعہ کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمّم نہ کرے:

ایک شخص جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے آیا اور اس کا وضو ٹوٹ گیا یا بے وضو تھا اور جمعہ کی نماز تیار ہے اسے اندیشہ ہے کہ اگر میں وضو میں مشغول ہوا تو جمعہ کی نماز فوت ہو جائے گی تو ایسے شخص کو تیمّم کرکے جمعہ میں شرکت کی اجازت نہیں بلکہ یہ وضو کرے اس کے بعد اگر جمعہ مل جائے تو اس میں شریک ہوکر جمعہ ادا کرے ورنہ چار رکعت بنیت ظہر ادا کرے چونکہ جمعہ کی نماز کی قضا بشکل ظہر چار رکعت ہے۔

"وكذلك إذا ضاق الوقت فخشى إن توضأ فاته الوقت لم يتيمم ولكنه يتوضأ ويصلى فائته"۔

اگر نماز کی قضاء ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمّم درست نہیں:

اسی طرح اگر وقت تنگ ہو وضو کرنے میں نماز کے قضا ہونے کا اندیشہ ہو پھر بھی وہ وضو ہی کرے تیمّم نہیں کرسکتا اس لئے کہ اس کی قضا ہے لہذا ادا کے بجائے وہ قضاء پڑھے۔

"والمسافر إذا نسی الماء فی رحله فتیمم وصلی ثم ذكر الماء فی الوقت لم یعد الصلاة عند أبی حنیفة ومحمد وقال أبو یوسف یعیدها"۔

مسافر سامان سفر میں پانی بھول جائے تو کیا کرے:

مسافر کے سامان سفر میں پانی بھی ہے لیکن یہ سمجھ کر کہ پانی نہیں ہے اس نے تیمّم کر کے نماز پڑھ لیا اس کے بعد پانی کا ہونا یاد آیا خواہ ابھی نماز کا وقت باقی ہو یا نکل گیا ہو حضرت امام ابوحنیفہ ومحمد کے نزدیک نماز کا اعادہ نہیں ہے چونکہ بغیر علم کے استعمال پر وہ قادر نہیں اور وجود ماء سے مراد قدرت علی الاستعمال ہے (ہدایہ)، لیکن حضرت امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ نماز کا اعادہ ہے چونکہ عام طور پر مسافر کے سامان سفر میں پانی بھی ہوتا ہے لہذا نماز کے وقت پانی تلاش کرنا ضروری تھا یہ اس کی غلطی ہے کہ اس نے صرف حافظہ پر اعتماد کیا۔ لیکن یہ اختلاف اس وقت ہے جب اس نے پانی خود رکھا ہو یا کسی دوسرے شخص نے اس کے حکم سے رکھا ہو، اور اگر نہ اس نے

خودرکھا نہ ہی کسی کو حکم دیا بلکہ ازخود کسی نے رکھ دیا اور اس کا علم اس کو نہ ہو تو بالاتفاق تیمّم کے ذریعہ ادا کردہ نماز درست ہے، اسی طرح اگر دوران نماز پانی کا ہونا یاد آ گیا تو بالاتفاق وہ نماز توڑ کر وضو کر کے نماز پڑھے اسی طرح اگر پانی کے ہونے نہ ہونے میں شک ہو یا پانی کے ختم ہونے کا ظن ہو اور تیمّم کر کے وہ نماز پڑھ لے پھر پانی سامان سفر میں موجود ملے تو بالاتفاق وہ نماز کا اعادہ کرے۔ اسی طرح اگر پانی کا مشکیزہ مسافر کی کمر سے بندھا ہو یا اس کی گردن میں لٹکا ہوا ہو یا اس کے سامنے پانی رکھا ہوا ہو پھر وہ بھول جائے اور تیمّم کر کے نماز ادا کرے تو بالاتفاق نماز کا اعادہ ہے، اس لئے کہ مذکورہ صورتوں میں عام طور پر آدمی بھولتا نہیں اس لئے اس کا نسیان معتبر نہیں۔ اسی طرح اگر پانی سواری کے پچھلے حصہ سے بندھا ہوا اور یہ سواری کو پیچھے سے ہنکا کر لیجا رہا ہو یا پانی سواری کے اگلے حصہ میں ہو اور یہ رسی پکڑ کر آگے آگے چل رہا ہو یا اس پر سوار ہو اور پھر تیمّم کر کے نماز پڑھ لے تو بالاتفاق اعادہ ہے (جوہرہ)۔

”وليس على المتيمم إذا لم يغلب على ظنه أن يقربه ماء أن يطلب الماء فإن غلب على ظنه أن هناك ماء لم يجز له أن يتيمم حتى يطلبه“۔

کیا مسافر کے لئے پانی تلاش کرنا ضروری ہے؟

مسافر کے ظن غالب کے مطابق پانی قریب نہیں بلکہ بہت دور ہے تو پانی تلاش کرنا لازم نہیں بلکہ وہ تیمّم کر کے نماز ادا کر لے بشرطیکہ وہ صحراء میں ہو اور اگر

آبادی میں ہو تب ظن غالب پر عمل کرنا درست نہیں، بلکہ تلاش کرنا ضروری ہے اس لئے کہ بیابان عام طور پر پانی سے خالی ہوتے ہیں، بخلاف آبادی کے کہ اس میں عام طور پر پانی موجود ہوتا ہے۔

اور اگر ظن غالب کے مطابق پانی قریب ہو خواہ کسی علامت ونشانی سے اس کو یہ ظن حاصل ہوا ہو یا کسی عادل شخص نے بتلایا ہو کہ پانی قریب ہے تب پانی تلاش کرنا ضروری ہے لیکن پانی کی تلاش میں ایک میل سے کم ایک غلوہ کے بقدر جائے تاکہ ساتھیوں کا ساتھ نہ چھوٹے اس سے زیادہ دور جانے میں ساتھیوں کے چھوٹنے کا امکان ہے (ہدایہ)، اور ایک غلوہ کی مقدار تین سو ذراع سے لے کر چار سو ذراع تک ہے۔

اور اگر اس نے کسی کو پانی تلاش کرنے کے لئے بھیج دیا خود نہیں گیا اور اس نے آکر اطلاع دی پانی نہیں ہے یہ بھی معتبر ہے اور تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے لیکن اگر مذکورہ صورت میں نہ خود تلاش کیا اور نہ ہی کسی کو تلاش کے لئے بھیجا اور تیمّم کر کے نماز ادا کرلی پھر اس نے پانی تلاش کرنا شروع کیا تو یہ اپنی نماز کا اعادہ کرے خواہ پانی ملے یا نہ ملے اگر پانی مل گیا تو وضو کرکے اور اگر نہیں ملا تو تیمّم کر کے، لیکن اس کے قائل حضرت امام ابوحنیفہ ومحمد ہیں، حضرت امام ابو یوسف فرماتے ہیں نماز کا اعادہ نہیں۔

"وإن كان مع رفيقه ماء طلبه منه قبل أن يتيمم فإن منعه منه تيمم وصلى"۔

مسافر کے رفقاء کے پاس پانی ہوتو کیا کرے؟

مسافر کے پاس پانی نہیں لیکن اس کے رفقاء سفر میں سے کسی کے پاس پانی ہے تو اس سے بغیر مانگے تیمّم کر کے نماز پڑھنا درست نہیں اس لئے کہ عام طور پر رفقاء سفر ایسے مواقع میں پانی دینے سے انکار نہیں کرتے۔ اور اگر مانگنے کے بعد پانی دینے سے اس نے انکار کردیا تب تیمّم کر کے نماز پڑھ لے چونکہ اب اس کا پانی سے عاجز ہونا متحقق ہوگیا۔ اور اگر ثمن مثل پر وہ پانی دینے پر تیار ہو اور مسافر کے پاس اتنے پیسے ہوں تو پانی خرید کر وضو کرنا ضروری ہے تیمّم کرنا جائز نہیں قدرت کے متحقق ہونے کی وجہ سے الا یہ کہ وہ پانی کی قیمت بہت زیادہ مانگ رہا ہو، جسے غبن فاحش کہتے ہیں تب تیمّم کرنا جائز ہے اس لئے کہ اس وقت اس کو اگر پانی خریدنے کا مکلّف بنایا گیا تو ضرر لازم آئے گا اور ضرر ساقط ہے، ارشاد نبوی ہے: ”**لا ضرر ولا ضرار في الإسلام**“ (ہدایہ)۔



باب المسح علی الخفین

خفین پر مسح کا ثبوت:

خفین خف کا تثنیہ ہے خف چمڑے کے موزے کو کہتے ہیں باب التیمم کے بعد باب المسح علی الخفین کوذکر کرنے کی وجہ دونوں کا مسح میں متحد ہونا ہے، نیز یہ تیمّم اور مسح دونوں غسل کے بدل ہیں البتہ تیمّم بدل الکل ہے اور مسح بدل البعض ہے۔

مسح علی الخفین کا انکار سوائے خوارج اور روافض کے فرقہ امامیہ کے کسی اور نے نہیں کیا، ابن المنذر نے حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول نقل کیا ہے کہ مسح علی الخفین کے بارے میں کسی صحابی کا کوئی اختلاف نہیں، ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ فقہاء سلف میں سے کسی کا اختلاف میرے علم میں نہیں سارے ہی حضرات جواز مسح کے قائل تھے، حفاظ حدیث کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ مسح علی الخفین کی روایتیں متواتر ہیں۔حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جواز مسح کے سلسلہ میں مرفوع وموقوف روایتیں چالیس صحابہؓ سے مروی ہیں۔ابن ابی حاتم فرماتے ہیں اکتالیس صحابہ سے مروی ہیں۔حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے ستر صحابہ نے مجھ سے اللہ کے رسول ﷺ کا خفین پر مسح کرنا نقل کیا ہے۔ابن مندہ نے مسح علی الخفین کے رواۃ کی تعداد اسی بتلائی ہے، حافظ ابن حجر

عسقلانیؒ فرماتے ہیں راویوں کی تعداد اسی سے متجاوز ہے اور ان میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے میں مسح علی الخفین کا اس وقت قائل ہوا جب دن کی روشنی کی طرح دلائل واضح انداز میں میرے سامنے آ گئے، اگر کوئی شخص مسح علی الخفین کے جواز کا قائل نہ ہو تو مجھے اس کے بارے میں کفر کا اندیشہ ہے۔

"المسح على الخفين جائز بالسنة من كل حدث موجب للوضوء إذا لبس الخفين على طهارة كاملة ثم أحدث"۔

خفین پر مسح کا حکم:

مسح علی الخفین جائز ہے سنت نبوی سے ثابت ہے لیکن اگر کوئی شخص مسح علی الخفین کو جائز سمجھ کر عزیمت پر عمل کرے پاؤں کو دھوئے تو انشاء اللہ اس کو اجر ملے گا گنہگار نہ ہوگا (ہدایہ)، جو حضرات مسح علی الخفین کو **وامسحوا برؤسكم وأرجلكم إلى الكعبين** میں جر والی قرأت سے ثابت کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مسح علی الخفین کتاب اللہ سے ثابت ہے ان کی تردید کے لئے مصنفؒ نے "بالسنۃ" کی قید لگائی ہے یعنی مسح علی الخفین احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔ مسح علی الخفین ہر اس حدث کے وقت کیا جا سکتا ہے جو موجب وضو ہو اگر حدث موجب غسل ہو تو مسح جائز نہیں بلکہ خفین کو نکال کر پاؤں کا دھونا ضروری ہے چونکہ وضو بار بار کرنے کی ضرورت پڑتی ہے ہر بار خفین نکال کر پاؤں کو دھونے میں حرج ہے اور حرج مدفوع ہے بخلاف غسل کے کہ اس

کی ضرورت گاہ بگاہ پڑتی ہے اس لئے خفین نکال کر پاؤں دھونے میں کوئی حرج نہیں۔

موجب وضو حدث کے وقت مسح اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب خفین کو پاؤں دھونے کے بعد پہنا ہو اور حدث کامل طہارت کے بعد لاحق ہوا ہو لہذا اگر کسی شخص نے پاؤں دھو کر خفین پہن لیا اور وضو مکمل کرنے سے پہلے ریاح خارج ہوگئی تو اب خفین نکال کر دوبارہ پاؤں دھونا ہوگا۔

"فإن كان مقيماً مسح يوماً و ليلة وإن كان مسافراً مسح ثلاثة أيام و لياليها و ابتدائها عقيب الحدث"۔

مقیم و مسافر کے لئے مسح کا حکم:

مسح کرنے والا اگر مقیم ہو تو وہ خفین پر ایک دن اور ایک رات مسح کرے اور اگر مسافر ہو تو تین دن اور تین رات مسح کرے اور اس کی ابتداء حدث کے بعد ہوگی، مثلاً ظہر کے وقت وضو کر کے ایک شخص نے خفین پہنا اور اس کا وضو مغرب کی نماز کے ایک گھنٹہ کے بعد ٹوٹا تو مدت مسح کی ابتداء مغرب کی نماز کے ایک گھنٹہ کے بعد سے ہوگی، چونکہ خفین پاؤں تک حدث کی سرایت سے مانع ہے، لہذا جب سے خفین مانع بنا ہے مدت مسح کا اعتبار اسی وقت سے کیا جائے گا۔

"والمسح على الخفين على ظاهرهما خطوطاً بالأصابع يبدأ من رؤوس أصابع الرجل إلى الساق"۔

خفین پر مسح کا طریقہ:

مسح علی الخفین کا محل پاؤں کا ظاہری یعنی اوپر والا حصہ ہے لہذا اگر کسی نے صرف باطنی یعنی نیچے والے حصہ پر مسح کیا یا ایڑی یا پنڈلی پر مسح کرلیا تو مسح معتبر نہ ہوگا۔ اس لئے کہ مسح علی الخفین خلاف قیاس ہے لہذا شارع سے جو امر جس طرح مروی ہے اس کے خلاف معتبر نہ ہوگا (ہدایہ)، البتہ اگر ظاہری حصہ کے ساتھ باطنی حصہ پر بھی مسح کرلے تو کوئی حرج نہیں۔ اور مسح علی الخفین کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ انگلیوں کو خط کی شکل میں خفین پر پھیرا جائے لیکن اگر کسی نے ہتھیلی کو خفین پر پھیر دیا تب بھی مسح درست ہے البتہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔ مسح کی ابتداء پاؤں کی انگلیوں کے کنارہ سے ہوگی اور انتہاء پنڈلی کے ابتدائی حصہ پر ہوگی اور اگر کسی نے پنڈلی سے شروع کرکے انگلیوں پر ختم کیا تب بھی جائز ہے اس طرح بھی مسح درست ہے۔

”وفرض ذلك مقدار ثلاث أصابع من أصغر أصابع اليد“۔

خفین پر مسح میں مقدار فرض:

مسح علی الخفین میں مقدار فرض ہاتھ کی چھوٹی انگلیوں میں سے صرف تین انگلی کے بقدر ہے طولاً اور عرضاً یعنی لمبائی اور چوڑائی میں۔ لیکن امام کرخیؒ کے نزدیک ہاتھ کے بجائے پاؤں کی تین انگلیوں کے بقدر ہے مگر اصح اور مفتی بہ وہی قول ہے جس کو

حضرت مصنفؒ نے ذکر فرمایا ہے چونکہ آلہ مسح ہاتھ ہے اس لئے ہاتھ ہی کی انگلیوں کا اعتبار ہوگا (ہدایہ)۔

"ولا يجوز المسح على خف فيه خرق كثير يتبين منه مقدار ثلاث أصابع من أصابع الرجل وإن كان أقل من ذلك جاز"۔

خفین پر مانع مسح کا بیان:

ایسے خف پر مسح کرنا جائز نہیں جس میں بہت زیادہ پھٹن ہو اور قلیل و کثیر میں حد فاصل پاؤں کی چھوٹی انگلیوں میں تین انگلیاں ہیں لہذا اگر تین انگلی کے بقدر پھٹن ہو تو وہ کثیر ہے اس پر مسح جائز نہیں، اور اگر اس سے کم ہو تو وہ قلیل ہے اس پر مسح جائز ہے چونکہ خفاف عادۃً قلیل خرق سے خالی نہیں ہوتے اس لئے اس کو مانع مسح قرار دینے میں حرج ہے البتہ عادۃً خرق کثیر سے خفاف خالی ہوتے ہیں اس لئے اس کو مانع مسح قرار دینے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن چھوٹی انگلی کی شرط اس وقت ہے جب خرق اگلے حصہ کے علاوہ ہو اور اگر خرق اصابع ہی پر ہو تب نفس اصابع کا اعتبار کیا جائے گا خواہ انگلیاں چھوٹی ہوں یا بڑی اور اگر خرق تین انگلی کے بقدر یا اس سے زائد ہو لیکن خفین کی صلابت کی وجہ سے چلنے کے وقت بقدر مانع مسح ظاہر نہ ہو تو اس پر مسح کرنا جائز ہے۔

"ولا يجوز المسح على الخفين لمن وجب عليه الغسل"۔

جنبی کے لئے خفین نکال کر پاؤں دھونا ضروری ہے:

لابس خفین پر اگر غسل واجب ہوجائے تو خفین کو نکال کر پاؤں کا دھونا ضروری ہے خفین پر مسح جائز نہیں چونکہ حضور اکرم ﷺ سے صراحۃً ممانعت ثابت ہے چنانچہ ترمذی شریف میں روایت ہے حضرت صفوان بن عسال ؓ فرماتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ ہمیں حکم فرماتے تھے کہ سفر کی حالت میں ہم اپنے خفاف کو تین دن و تین رات نہ نکالیں الا یہ کہ غسل واجب ہوجائے۔

"وينقض المسح ما ينقض الوضوء وينقضه أيضاً نزع الخف ومضى المدة فإذا مضت المدة نزع خفيه وغسل رجليه وصلى وليس عليه إعادة بقية الوضوء"۔

خفین پر مسح کے نواقض کا بیان:

جو چیزیں ناقض وضو ہیں وہ ناقض مسح علی الخفین بھی ہیں چونکہ مسح وضو کا بعض ہے تو جب کل ٹوٹ گیا تو بعض بھی ٹوٹ جائے گا مزید برآں یہ کہ خف کے نکل جانے سے بھی مسح ٹوٹ جاتا ہے چونکہ خف ہی حدث کی سرایت إلی القدم سے مانع تھا اور جب نزع کی وجہ سے مانع زائل ہوگیا تو حدث سرایت کر گیا لہذا اب غسل ضروری ہے، خواہ ایک خف نکلا ہو یا دونوں نکل گئے ہوں چونکہ ایک ہی وظیفہ میں غسل و مسح کو جمع کرنا متعذر ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ خف کا کتنا نکلنا ناقض مسح ہے ایک

قول یہ ہے کہ پنڈلی کے پاس والا حصہ نکل کر قدم پر آجائے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ قدم کا اکثر حصہ نکل آئے اور یہی قول صحیح مفتی بہ ہے (ہدایہ)۔

"ومن ابتدأ المسح وهو مقيم فسافر قبل إتمام يوم وليلة مسح ثلاثة أيام ولياليها ومن ابتدأ المسح وهو مسافر ثم أقام فإن كان مسح يوما وليلة أو أكثر لزمه نزع خفيه وغسل رجليه وإن كان مسح أقل من يوم وليلة تمم مسح يوم وليلة"۔

مقیم مسافر ہو جائے یا مسافر مقیم ہو جائے تو کیا کرے؟:

اگر کسی شخص نے مسح اس وقت شروع کیا جب وہ مقیم تھا اور مدت مسح للمقیم ایک دن ورات مکمل کرنے سے پہلے وہ مسافر ہو گیا تو اب وہ مسافر والی مدت تین دن وتین رات پوری کرے گا، چونکہ یہ ایسا حکم ہے جس کا تعلق وقت سے ہے لہذا اخیر وقت کا اعتبار کیا جائے گا اور اخیر وقت میں مذکورہ صورت میں یہ شخص مسافر ہے لہذا مسافر والی مدت پوری کرے اور اگر مقیم والی مدت پوری کرنے کے بعد وہ مسافر ہوا تو چونکہ حدث سرایت کر چکا ہے اس لئے خفین نکال کر پاؤں دھونا ضروری ہے، چونکہ خفین مانع حدث ہے رافع حدث نہیں (ہدایہ)۔

اور اگر کسی نے مسح اس وقت شروع کیا جب وہ مسافر تھا پھر وہ مقیم ہو گیا بایں طور کہ وہ اپنے گھر واپس آ گیا یا جہاں پہنچا وہاں اقامت کی نیت کر لی تو اگر مدت

اقامت ایک دن وایک رات یا اس سے زیادہ وہ مسح کر چکا ہے تو خفین کو نکال کر پاؤں کو دھونا ضروری ہے اس لئے کہ سفر والی رخصت بغیر سفر کے باقی نہیں رہتی اور اگر مدت اقامت ایک دن وایک رات سے کم اس نے مسح کیا ہے تو مقیم والی مدت وہ پوری کرے اس لئے کہ ایک دن وایک رات مقیم کی مدت ہے اور فی الحال یہ مقیم ہے۔

"ومن لبس الجرموق فوق الخف مسح عليه"۔

خفین پر جرموق پہننے کا حکم:

جو چیز خف کے اوپر خف کی حفاظت کے لئے پہنی جائے اس کو جرموق کہتے ہیں اس کو موق بھی کہا جاتا ہے جرموق کی جمع جرامیق آتی ہے۔ اگر کسی شخص نے خف کے اوپر جرموق پہن لیا تو وہ اس پر مسح کرسکتا ہے بشرطیکہ اس کو پاکی کی حالت میں پہنا ہو اور اگر حدث کی حالت میں پہنا ہے تب اس پر مسح کرنا جائز نہیں۔

"ولا يجوز المسح على الجوربين عند أبي حنيفة إلا أن يكونا مجلدين أو منعلين وقال أبو يوسف ومحمد يجوز المسح على الجوربين إذا كانا ثخينين لا يشفان الماء"۔

جوربین پر مسح کا حکم:

جوربین پر مسح کرنا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں خواہ رقیق ہو یا

موٹا الا یہ کہ اوپر نیچے دونوں طرف یا صرف نیچے چمڑا لگا ہوا ہو۔ حضرت امام ابو یوسفؒ ومحمدؒ فرماتے ہیں جوربین پر مسح کرنا جائز ہے بشرطیکہ موٹے ہوں یعنی بغیر باندھے پاؤں پر رک جائیں اور جب ان پر مسح کیا جائے تو پانی جذب نہ کریں خواہ مجلد یا منعل ہوں یا نہ ہوں۔ مفتی بہ قول حضرات صاحبین ہی کا ہے (ہدایہ) چونکہ مرض الوفات میں حضرت امام ابوحنیفہؒ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرلیا تھا (خانیہ)۔

"ولا يجوز المسح على العمامة والقلنسوة والبرقع والقفازين"۔

پگڑی وٹوپی پر مسح کا حکم:

پگڑی، ٹوپی، برقع، دستانہ پر مسح کرنا جائز نہیں چونکہ مسح علی الخف خلاف قیاس روایات واحادیث سے ثابت ہے، لہذا غیر کو اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا جاسکتا۔

"ويجوز المسح على الجبائر وإن شدها على غير وضوء فإن سقطت عن غير برء لم يبطل المسح وإن سقطت عن برء بطل المسح"۔

پٹی پر مسح کا حکم:

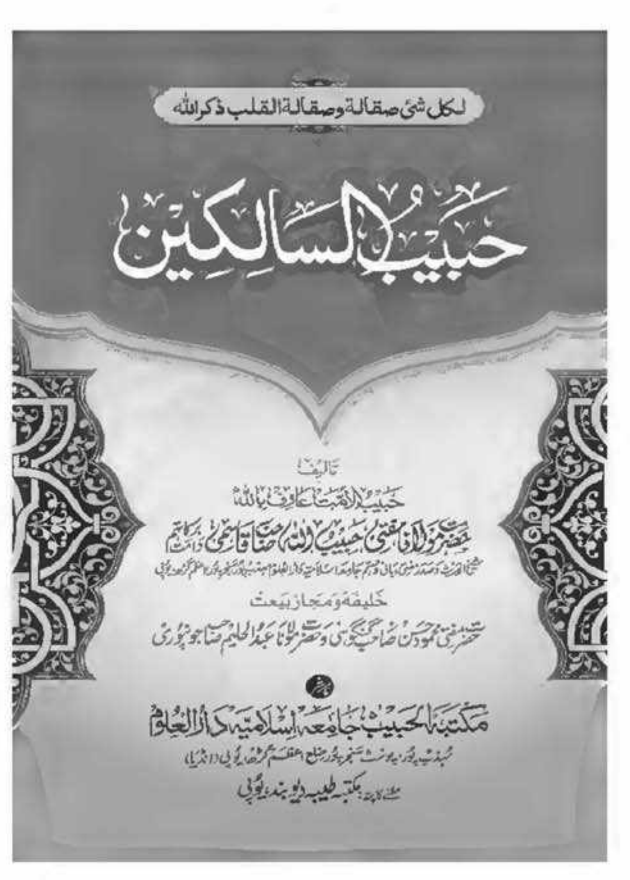
پٹی پر مسح کرنا جائز ہے اگرچہ پٹی بلا وضو یا جنابت کی حالت میں باندھی ہو چونکہ اس حالت میں وضو کی شرط لگانے میں حرج ہے اور حرج مدفوع ہے نیز یہ کہ پٹی کے باندھنے کی وجہ سے پٹی نے عضو مکسور کا حکم لے لیا ہے لہذا پٹی پر مسح کرنا یہ عضو

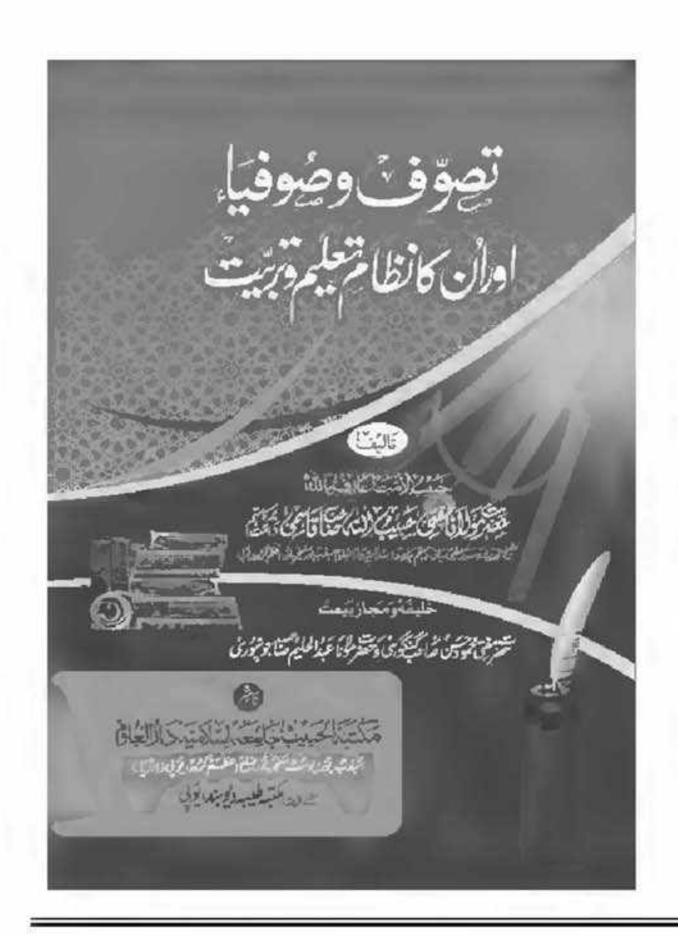
کے دھونے کے قائم مقام ہے۔

پھر اگر زخم ٹھیک ہونے سے پہلے پٹی کھل کر گر گئی تب بھی کوئی حرج نہیں مسح باطل نہیں ہوگا، چونکہ عذر ابھی موجود ہے اور جب تک عذر باقی ہو مسح دھونے کے قائم مقام ہے لہذا پٹی کے کھلنے کی وجہ سے عضو مکسور کا دھونا ضروری نہیں۔

اور اگر زخم ٹھیک ہونے کے بعد پٹی کھل کر گری تو مسح باطل ہو جائے گا چونکہ عذر زائل ہو چکا ہے حتی کہ اگر نماز کے دوران یہ صورت پیش آ گئی تو نماز ٹوٹ جائے گی دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی چونکہ مقصود بالبدل کے حاصل ہونے سے پہلے یہ شخص اصل پر قادر ہو گیا (ہدایہ)۔

☆☆☆





باب الحیض

"أقل الحيض ثلاثة أيام ولياليها وما نقص من ذلك فليس بحيض وهو استحاضة وأكثر الحيض عشرة أيام ولياليها وما زاد على ذلك فهو استحاضة"۔

کثیر الوقوع حدث کو بیان کرنے کے بعد اب مصنفؒ قلیل الوقوع حدث کو بیان فرمارہے ہیں۔

حیض کا تعارف اور اقل واکثر مدت کی تعیین:

حیض کے لغوی معنی سیلان کے ہیں اصطلاح شریعت میں حیض اس خون کو کہتے ہیں جو ایسی عورت کے رحم سے نکلے جو بالغہ ہو اور بیماری سے محفوظ ہو، حیض کی کم سے کم مدت تین دن وتین رات ہے اگر اس سے کم خون آیا تو وہ استحاضہ ہوگا حیض نہیں، چونکہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے حیض کی کم سے کم مدت تین دن وتین رات ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں حیض کی اقل مدت دو دن اور تیسرے دن کا اکثر حصہ ہے، صاحب عنایہ نے گھنٹوں کے اعتبار سے ۶۷ گھنٹہ قرار دیا ہے چونکہ

اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے جب تین دن ورات کی تحدید منصوص ہے تو اس میں کمی نہیں کی جائے گی (ہدایہ)۔

اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ورات ہے، دس کے بعد بھی اگر خون آتا رہا تو وہ استحاضہ ہوگا چونکہ اکثر مدت کی تحدید دس سے منصوص ہے اس لئے اس پر اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

"وما تراه المرأة من الحمرة والصفرة والكدرة فی أيام الحيض فهو حيض حتى ترى البياض الخالص"۔

الوان دم حیض کا بیان:

الوان دم حیض چھ ہیں ان میں سے تین مصنفؒ نے یہاں بیان فرمایا ہے، (۱) سرخ، (۲) زرد، (۳) مٹمیلا۔ سرخ اور سیاہ بالاتفاق دم حیض ہیں، اور زرد، مٹمیلا، تربیہ اصح قول کے مطابق دم حیض ہیں لہذا عورت نے ایام حیض میں الوان مذکورہ میں سے کسی رنگ میں خون کو دیکھا تو وہ حیض شمار ہوگا جب تک وہ خالص سفیدی کو نہ دیکھ لے اس وقت تک وہ پاک نہ ہوگی، "بیاض خالص" بعض حضرات فرماتے ہیں اس سے مراد ایک چیز ہے جو ناک کی ریزش کے مشابہ ہوتی ہے انتہاء حیض کے وقت وہ نکلتی ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کرسف ہے چونکہ عورتیں زمانۂ حیض

میں کرسف استعمال کرتی ہیں اور اسی سے اندازہ لگاتی ہیں جب کرسف سفید نکلتا ہے تو اس سے یہ سمجھتی ہیں کہ میں پاک ہوگئی (جوہرہ)۔

"والحيض يسقط عن الحائض الصلاة ويحرم عليها الصوم وتقضى الصوم ولا تقضى الصلاة ولا تدخل المسجد ولا تطوف بالبيت ولا يأتيها زوجها ولا يجوز لحائض ولا لجنب قرائة القرآن ولا يجوز لمحدث مس المصحف إلا أن يأخذه بغلافه"۔

حیض کی حالت کے ممنوعات:

حائضہ کے لئے حیض کی وجہ سے جو چیزیں حرام ہیں مصنفؒ نے انہیں بیان فرمایا ہے:

۱- نماز، حائضہ عورتوں سے زمانۂ حیض میں نماز ساقط ہوجاتی ہے حیض سے فارغ ہونے کے بعد ان کی قضا بھی نہیں چونکہ عورتوں کے لئے گھریلو کام کاج کے ساتھ ہر مہینہ کی چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا بہت مشکل ہے۔

۲- روزہ، زمانہ حیض میں روزہ رکھنا حرام ہے لیکن پاک ہونے کے بعد روزوں کی قضا ہے چونکہ اس میں کوئی حرج نہیں پورے سال میں متفرق کر کے رکھ سکتی ہیں۔

۳- مسجد میں داخل ہونا، حائضہ مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی۔

۴- بیت اللہ کا طواف، حیض کی حالت میں عورت بیت اللہ کا طواف نہیں

کرسکتی، یہی حکم نفساء اور جنبی کے لئے بھی ہے، چونکہ حضورﷺ نے حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد میں داخل ہونے کوحرام قرار دیا ہے۔

۵-شوہر سے تعلق از دواجیت قائم کرنا چونکہ اس کی ممانعت صراحۃً قرآن کریم میں ہے۔

۶-قرآن کریم کی تلاوت، حائضہ جنبی دونوں کے لئے نا جائز ہے، البتہ اگر بنیت دعا حائضہ وجنبی نے پڑھا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، چونکہ ان کے لئے ذکر اللہ ممنوع نہیں (جوہرہ)۔

۷-قرآن کریم کو چھونا، حائضہ، نفساء، جنبی اور محدث کے لئے قرآن کا چھونا بھی جائز نہیں البتہ محدث غلاف یا کپڑے سے پکڑ سکتا ہے۔

"وإذا انقطع دم الحيض لأقل من عشرة أيام لم يجز وطيها حتى تغتسل أو يمضى عليها وقت صلاة كاملة وإن انقطع دمها لعشرة أيام جاز وطيها قبل الغسل"۔

حیض بند ہونے پر وطی کب جائز ہے؟

اگر حیض دس دن سے کم میں بند ہو گیا مثلاً ایک عورت کی عادت ہے کہ ہر مہینے چھ دن حیض آتا ہے، عادت کے مطابق حیض آکر بند ہو گیا تب بھی وطی غسل یا تیمّم سے پہلے جائز نہیں، یا اس پر مکمل نماز کا وقت گذر جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ حیض

سے فارغ ہونے کے بعد عورت کو اتنا وقت ملا کہ اگر وہ چاہتی تو غسل کر کے کپڑا پہن کر نماز کا تحریمہ کہہ سکتی تھی لیکن وقت گذر گیا اس نے نہ غسل کیا نہ نماز پڑھی تو اس صورت میں بھی وطی کرنا جائز ہے چونکہ اتنا وقت ملنے کے بعد اب یہ نماز اس کے ذمہ لازم ہوگئی لہٰذا حکماً پاک سمجھی جائے گی۔

اور اگر کسی عورت کی عادت ہر مہینے چھ یوم کی ہو اور کسی مہینہ میں چار دن کے بعد خون بند ہو جائے تو جب تک دو دن مزید نہ گذر جائیں اس وقت تک اس سے وطی کرنا جائز نہیں چاہے وہ غسل کر لے پھر بھی وہ ناپاک ہی تصور کی جائے گی چونکہ عادت کی طرف لوٹنے کا امکان ہے لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ جب تک عادت پوری نہ ہو جائے پرہیز کرے (ہدایہ)۔

اور اگر خون دس دن مکمل آکر بند ہوا تو غسل سے پہلے بھی وطی کرنا جائز ہے چونکہ حیض کی اکثر مدت دس دن ہے اس سے زیادہ اگر خون آیا تو وہ استحاضہ ہے، البتہ مستحب یہ ہے کہ غسل کے بعد ہی وطی کرے (ہدایہ)۔

"والطهر إذا تخلل بين الدمين فی مدة الحيض فهو كالدم الجاری"۔

دو دم کے درمیان طہر آنے کا حکم:

مدت حیض میں دو دم کے درمیان اگر طہر آ گیا تو اس کو طہر نہیں شمار کیا جائے گا بلکہ پے در پے دم جاری کے حکم میں ہوگا، مثلاً ایک عورت کو تین روز خون آیا اس کے بعد

خون موقوف ہوگیا پھر چار روز کے بعد خون جاری ہوگیا تو یہ دم متوالی جاری کے حکم میں ہے چونکہ مدت حیض میں استیعاب دم بالاجماع غیر ضروری ہے اول وآخر معتبر ہے جس طرح نصاب زکوۃ میں اول وآخر معتبر ہے وسط معتبر نہیں۔اسی طرح ایک عورت کو چار روز خون آیا اور اس کے بعد خون موقوف ہوگیا پھر دس روز کے بعد خون آگیا تو دس روز طہر نہیں شمار ہوگا چونکہ طہر کی اقل مدت پندرہ دن ہے اس سے کم اگر پاکی رہی تو معتبر نہیں یہ دم متوالی کے درجہ میں ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مختلف روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے، بعض حضرات نے اقوال مختلفہ میں آخری قول اسی کو قرار دیا ہے، اور اس قول کے اختیار میں زیادہ سہولت ہے (ہدایہ)، بہت سے متاخرین نے اسی پر فتوی دیا ہے چونکہ مفتی مستفتی دونوں کے لئے یہ سہل ہے (السراج الوہاج) یہی قول راجح ہے (فتح القدیر)۔

"وأقل الطهر خمسة عشر يوماً ولا غاية لأكثره"۔

پاکی کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مقدار:

دو حیض یا نفاس وحیض کے درمیان کم سے کم فصل کی مدت پندرہ دن ورات ہے لہٰذا اگر پندرہ دن سے کم فصل ہوا تو معتبر نہیں وہ دم متوالی جاری کے حکم میں ہے چونکہ پندرہ دن سے کم طہر، طہر فاسد ہے، اور دو نفاس کے درمیان فصل کی مدت نصف سال (چھ ماہ) ہے، لہٰذا اگر دوسرا بچہ چھ ماہ سے پہلے پیدا ہوگیا تو دونوں بچے تو اُم جوڑوا کہلائیں گے اور اس ولادت کے بعد جو خون آئے گا وہ نفاس نہیں کہلائے گا،

اکثر مدت طہر کی کوئی انتہاء نہیں پوری زندگی بھی پاکی رہ سکتی ہے(قہستانی)۔

”ودم الاستحاضة هو ما تراه المرأة أقل من ثلاثة أيام أو أكثر من عشرة أيام فحكمه حكم الرعاف الدائم لا يمنع الصوم ولاالصلوة ولا الوطی“۔

دم استحاضہ کا تعارف وحکم:

دم حیض تین دن سے کم آئے یا دس دن سے زیادہ، یا نفاس چالیس دن سے زیادہ آئے، یا عادت سے متجاوز ہوکر اکثر مدت سے بڑھ جائے، یا صغیرہ نابالغہ بچی یا حاملہ کو خون آجائے تو دم استحاضہ کہلائے گا اور یہ رعاف دائم کے حکم میں ہے، مانع صوم وصلوٰۃ اور مانع وطی نہیں ہے، لہذا عورت پر لازم ہے کہ اس صورت میں نماز پڑھے اگر رمضان ہو تو روزے رکھے اور اگر شوہر وطی کرنا چاہے تو وہ وطی بھی کرسکتا ہے چونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے مستحاضہ عورت سے فرمایا وضو کرکے نماز پڑھو چاہے نماز کے دوران خون کے قطرات چٹائی پر گرجائیں۔

”وإذا زاد الدم على عشرة أيام وللمرأة عادة معروفة ردت إلى أيام عادتها وما زاد على ذلک فهو استحاضة“۔

عادت سے زیادہ خون آنے کا حکم:

اگر دم حیض دس دن سے متجاوز ہوگیا مثلاً چودہ دن کسی عورت کو خون آیا اور

عورت کی عادت معروفہ ہے مثلاً ہر مہینے اس کو سات دن خون آیا کرتا ہے تو صورت مذکورہ میں اس کی عادت کی طرف لوٹا دیا جائے گا اور عادت سے زیادہ جو خون آیا اس کو استحاضہ قرار دیا جائے گا مثال مذکور میں سات دن حیض کے شمار ہوں گے اور اس کے بعد والے سات یوم استحاضہ کے شمار ہوں گے لہذا عادت کے بعد جتنی نمازیں چھوٹی ہیں ان کی قضا ضروری ہے اسی طرح جتنے روزے چھوٹے ہیں ان کی بھی قضا کرے، اور اگر خون عادت سے متجاوز ہو کر اکثر مدت حیض میں بند ہو گیا مثلاً سات دن عادت تھی دو روز مزید خون آ کر بند ہو گیا تو اس صورت میں دو دن استحاضہ شمار نہیں ہوں گے چونکہ یہ خون مدت کے اندر بند ہو گیا ہے بلکہ اب یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی عادت بدل گئی سات روز کے بجائے اب نو روز اس کی عادت ہو گئی، لہٰذا کل حیض قرار دیا جائے گا۔

"وإن ابتدأت مع البلوغ مستحاضة فحيضها عشرة أيام من كل شهر والباقي استحاضة"۔

بالغہ ہوتے ہی مستحاضہ ہو جانے کا حکم:

اگر کوئی عورت بالغہ ہوتے ہی مستحاضہ ہو گئی خون مستمر ہو گیا تو ہر مہینے کے دس روز حیض شمار ہوں گے اور باقی یعنی بیس روز استحاضہ لہذا دس روز نہ نماز پڑھے گی نہ روزہ رکھے گی اور باقی بیس روز نماز پڑھے گی اور روزہ بھی رکھے گی۔ اسی طرح پہلی پیدائش کے بعد خون مستمر ہو گیا تو چالیس روز نفاس کے ہوں گے باقی استحاضہ۔

مبتدءہ کاحکم:

اصطلاح فقہاء میں ایسی عورت کومبتدءہ کہتے ہیں امام سرخسی فرماتے ہیں کہ مبتدأہ کاحکم یہی ہے یعنی جب سے خون آنا شروع ہوا ہے دس دن حیض بیس دن طہر اسی طرح مبتدأہ حساب لگا کر اعمال حسنہ کرتی رہے تا آنکہ وہ مرجائے یا پاک ہوجائے یعنی خون بند ہوجائے (مبسوط)، اور مبتدأہ کا یہی حکم عام معتبرات میں ہے، علامہ نوح آفندی نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔

معتادہ کاحکم:

دوسری قسم مستحاضہ کی معتادہ ہے، معتادہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کو کچھ دنوں تک خون انضباط کے ساتھ آیا اس کے بعد استمرار دم ہوگیا، معتادہ کے حیض وطہر کو اس کی عادت کی طرف پھیر دیا جائے گا لہٰذا اگر ہر مہینے چھ دن خون کے آنے کی عادت تھی تو چھ دن حیض شمار ہوگا باقی طہر (استحاضہ) اور اگر عادت چھ ماہ یا اس سے زیادہ پاکی کی تھی تو اس کی پاکی ایک گھنٹہ کم چھ ماہ قرار دی جائے گی اور چھ ماہ میں ایک گھنٹہ کی کمی طہر اور حمل میں فرق کرنے کے لئے ہے چونکہ حمل کی اقل مدت چھ ماہ ہے۔

متحیرہ کاحکم:

تیسری قسم مستحاضہ کی متحیرہ ہے، متحیرہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کی ہر مہینے

عادت رہی ہواور خون اسی کے مطابق آتا ہو پھر استمرار دم ہوگیا ہواور عادت بھول گئی ہو، متحیرہ کو محیرہ، ضالہ، ناسیہ بھی کہا جاتا ہے اس کے حکم میں چونکہ تفصیل ہے اس لئے اس کا حکم چھوڑ دیا گیا ہے اس کو بڑی کتابوں میں آپ انشاء اللہ پڑھیں گے۔

"والمستحاضة ومن به سلسل البول والرعاف الدائم والجرح الذى لا يرقأ يتوضؤن لوقت كل صلاة فيصلون بذلك الوضوء فى الوقت ما شاؤا من الفرائض والنوافل فإذا خرج الوقت بطل وضوئهم وكان عليهم استئناف الوضوء لصلاة أخرى"۔

مستحاضہ کی نماز کا طریقہ:

حضرت مصنفؒ مستحاضہ کی نماز کا طریقہ بیان فرمارہے ہیں۔ مستحاضہ ہر فرض نماز کے وقت کے لئے وضو کرے اور اس وضو سے وقت کے اندر جتنے فرائض وواجبات ونوافل چاہے ادا کرے، نیز فرائض خواہ ادا ہوں یا قضاء، وقت نکلنے کے بعد وضو باطل ہوجائے گا دوسرے وقت کے لئے نیا وضو کرنا ہوگا۔ یہی حکم ان لوگوں کا بھی ہے جو مستحاضہ کے درجہ میں ہیں مثلاً ایک شخص ہے جس کو پیشاب کا قطرہ آتا ہے، (۲) کسی کی ناک سے ہمیشہ خون آتا ہو، (۳) ایسا زخم جس کا خون بند نہ ہورہا ہو، (۴) ہمیشہ پیٹ سے نجاست نکلتی رہتی ہو، (۵) ریاح ہر وقت خارج ہوتی ہو، (۶) ناک، کان، آنکھ، پستان، ناف میں کوئی بیماری ہو جس کی وجہ سے پانی ہر وقت نکلتا ہو۔

ثبوت وتحقق عذر کے لئے ضروری ہے کہ عذر ایک فرض کے پورے وقت کو مستوعب ہو یعنی پورے وقت میں معذور کو عذر سے خالی اتنا وقت میسر نہ ہو کہ وہ وضو کر کے صرف فرض ہی ادا کر سکے، یہ شرط ابتداء عذر کے لئے ہے، اور بقاء عذر کے لئے اس عذر کا پورے وقت میں ایک بار وجود بھی کافی ہے، اور انتہاء عذر کے لئے ضروری ہے کہ نماز کا پورا وقت گذر جائے اور عذر ایک بار بھی لاحق نہ ہو۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ معذورین مذکورین کے لئے کپڑے کو دھو کر پاک کرنا بھی ضروری نہیں بشرطیکہ ظن غالب ہو یا تجربہ کہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی کپڑا پھر ناپاک ہو جاتا ہے۔

نیز معذورین کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ حتی المقدور عذر کو دور کرنے کی کوشش کریں اگر یہ وسعت وطاقت سے باہر ہو تو حتی الامکان عذر میں تقلیل کی کوشش کریں مثلاً پٹی باندھ کر خون کے سیلان کو روکا جا سکتا ہے ذکر کے سوراخ میں روئی ڈال کر وقتی طور پر تقاطر کو روکا جا سکتا ہے تو ان تدابیر کا اختیار کرنا ضروری ہے، اسی طرح کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے خون بہتا ہو بیٹھ کر پڑھنے سے نہ بہتا ہو، بیٹھ کر رکوع سجدہ کرنے سے خون آتا ہو اشارہ سے نماز پڑھنے سے خون نہ آتا ہو تو بیٹھ کر، اشارہ سے پڑھنا ضروری ہے چونکہ حدث کے ساتھ نماز پڑھنے کے مقابلہ میں ترک سجدہ اور اشارہ پر اکتفاء اہون ہے (البحر الرائق)۔

”والنفاس هو الدم الخارج عقيب الولادة والدم الذی تراه الحامل وما تراه المرأة فی حال ولادتها قبل خروج الولد استحاضة“۔

نفاس کا تعارف اور حکم:

حیض واستحاضہ کے بعد اب مصنفؒ نفاس کا حکم بیان فرمارہے ہیں۔

نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو ولادت کے بعد نکلتا ہے۔ ولادت خواہ مکمل ہوگئی ہو یا بچہ کا اکثر حصہ باہر آگیا ہو، پھر خواہ صحیح سالم بچہ پیدا ہوگیا ہو یا اس کا ایک ایک عضو ٹکڑوں کی شکل میں باہر آگیا ہو بہرصورت نکلنے والے خون کو نفاس کہیں گے۔ اور اگر خون زمانہ حمل میں آیا یا پورے بچے یا بچہ کے اکثر حصے کے نکلنے سے پہلے ولادت کی حالت میں آیا تو وہ نفاس نہیں بلکہ استحاضہ ہے لہذا اگر عورت قادر ہو تو وضو کرکے ورنہ تیمّم کرکے اشارہ سے نماز ادا کرلے نماز قضاء کردینا جائز نہیں۔

سوچنے کا مقام ہے ایسے نازک وقت میں بھی نماز قضاء کردینے کی اجازت نہیں تو صحت وقوت کی حالت میں نماز قضاء کردینے کی کیسے اجازت ہوسکتی ہے؟

”وأقل النفاس لا حد له وأكثره أربعون يوماً وما زاد على ذلک فهو استحاضة وإذا تجاوز الدم على الأربعين وقد كانت هذه المرأة ولدت قبل ذلک ولها عادة فی النفاس ردت إلى أيام عادتها وإن لم تكن لها عادة فابتداء نفاسها أربعون يوماً“۔

نفاس کی اقل واکثر مدت کا بیان:

نفاس کی کم سے کم مدت کی کوئی تحدید نہیں ایک روز بھی خون آسکتا ہے چار دن بھی آسکتا ہے البتہ اکثر مدت کی تحدید حدیث پاک سے چالیس دن ثابت ہے، چنانچہ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں نفساء رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چالیس دن بیٹھی رہتی تھیں (ترمذی شریف)۔ چالیس دن سے زائد اگر خون آیا اور عورت مبتدأہ ہے یعنی پہلی پیدائش ہے تو وہ استحاضہ ہے یعنی چالیس روز کے بعد نماز شروع کردے۔ اور اگر عورت معتادہ ہو یعنی اس کے کئی بچے پیدا ہو چکے ہوں اور پیدائش کے بعد خون کے آنے کی ایک عادت ہو مثلاً کئی بچے ہوئے اور ہر ایک کی پیدائش پر پچیس روز صرف خون آیا لیکن خلاف معمول وعادت کسی پیدائش کے بعد پینتالیس روز خون آگیا تو پچیس روز نفاس اور باقی بیس یوم استحاضہ کے شمار ہوں گے اور بیس یوم کی نمازوں کی قضاء کرنی ہوگی۔

اور اگر اس کی عادۃ معروفہ نہ ہو تو چالیس دن کے اندر جتنے ایام بھی خون آئے گا وہ سب نفاس ہوگا عادۃ معروفہ کے نہ ہونے کے وقت اکثر مدت کو اختیار کیا جائے گا چونکہ یہ متیقن ہے۔

"ومن ولدت ولدين في بطن واحد فنفاسها ما خرج من الدم عقيب الولد الأول عند أبي حنيفة وأبي يوسف وقال محمد وزفر

نفاسها ما خرج من الدم عقیب الولد الثانی"۔

دو بچوں کی پیدائش کی صورت میں نفاس کب سے معتبر ہوگا؟

ایک پیٹ یعنی ایک حمل سے دو بچے یا اس سے زائد بچے پیدا ہوئے بایں طور کہ یکے بعد دیگرے ایک ہی دن سب کی پیدائش ہوئی یا ایک آج پیدا ہوا دوسرا دو ماہ کے بعد پیدا ہوا یعنی دونوں پیدائش کے درمیان کا وقفہ چھ ماہ سے کم ہے تو پہلی پیدائش کے بعد جو خون آیا ہے وہ نفاس ہے چونکہ پہلے بچہ کے پیدا ہونے کے بعد رحم کھل گیا لہذا جو خون نظر آرہا ہے وہ نفاس ہے اس کے قائل حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ ہیں اور حضرت امام محمدؒ و زفرؒ فرماتے ہیں کہ دوسرے بچے کے پیدا ہونے کے بعد جو خون آیا ہے اس کو نفاس کہا جائے گا چونکہ نفاس کا حکم اس ولادت سے متعلق ہے جس سے عدت پوری ہو جائے اور عدت صورت مذکورہ میں بالاتفاق دوسرے بچے کے پیدا ہونے کے بعد آنے والے خون کے بند ہونے کے وقت پوری ہوگی لہذا نفاس وہی خون ہوگا جو دوسری پیدائش کے بعد آئے۔

لیکن صحیح اور معتمد مفتی بہ قول وہی ہے جس کے قائل حضرات شیخین ہیں۔

☆☆☆

باب الانجاس

"تطهير النجاسة واجب من بدن المصلى وثوبه والمكان الذى يصلى عليه"۔

نجاست کے اقسام واحکام:

نجاست کی دوقسمیں ہیں: (۱) حقیقیہ، (۲) حکمیہ۔ نجاست حکمیہ کے احکامات سے فارغ ہوکراب نجاست حقیقیہ کے احکامات بیان فرمارہے ہیں، لیکن چونکہ نجاست حکمیہ اقوی ہے اس لئے کہ اس کی مقدار قلیل بھی بالاتفاق مانع جواز صلوۃ ہے اسی وجہ سے مصنفؒ نے اس کو پہلے بیان فرمایا۔

انجاس: نجِس بکسر الجیم کی جمع ہے بعض حضرات نے انجاس کا مفرد نجَس بفتح الجیم کوقرار دیا ہے یہ غلط ہے چونکہ اس کی جمع نہیں آتی۔ نجس طاہر کی ضد ہے جس طرح نجاست طہارت کی ضد ہے۔ جس جگہ نجاست لگ جائے اس کا دور کرنا ضروری ہے خواہ نمازی کا بدن ہو یا اس کا کپڑا ہو یا وہ جگہ ہو جہاں نماز ادا کی جائے گی چونکہ نماز کی حالت میں ان ساری چیزوں کا استعمال ہے اور ارشاد باری ہے: وثیابک فطہر۔

"ويجوز تطهير النجاسة بالماء وبكل مائع طاهر يمكن إزالتها

به كالخل وماء الورد"۔

نجاست کو کن چیزوں سے دور کیا جاسکتا ہے؟

اب یہ بتلا رہے ہیں کہ نجاست کن چیزوں سے دور کی جائے پانی اور ہر ایسی چیز جو سیال (بہنے والی) ہو پاک ہو اور نجاست کو مکمل زائل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو بایں طور کہ کپڑے پر اس کو ڈالنے کے بعد جب اس کو نچوڑا جائے تو وہ مکمل طور پر کپڑے سے باہر ہو جائے جیسے سرکہ، گلاب کا پانی، ماء مستعمل، سبزیوں سے نکالا گیا پانی یہ سب مائع کے ساتھ مزیل بھی ہیں بخلاف دودھ اور زیتون کے یہ اگر چہ طاہر ہیں سیال ہیں لیکن مائع نہیں ہیں۔

"وإذا أصابت الخف نجاسة لها جرم فجفت فدلكه بالأرض جاز الصلاة فيه"۔

خفین کو پاک کرنے کا طریقہ:

اب خفین کی پاکی کا طریقہ بتلا رہے ہیں۔ چمڑے کا موزہ ہو یا جوتا اور اس پر ایسی نجاست لگ جائے جو خشک ہونے کے بعد بھی نظر آئے مثلاً انسان، گائے، بیل وغیرہ کا پائخانہ پھر وہ خشک ہو جائے اس کے بعد اس موزے یا جوتے کو زمین سے رگڑ کر گندگی دور کردی جائے تو موزہ اور جوتا پاک ہو جائے گا اس کو پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے چونکہ چمڑے کے موٹے اور سخت ہونے کی وجہ سے نجاست کے اجزاء اندر تک سرایت

نہیں کرتے اگر تھوڑے بہت کی سرایت بھی ہوئی تو خشکی کے بعد اس کا ازالہ ہو جاتا ہے اس لئے اس کی طہارت میں کوئی شبہ نہیں، بخلاف ایسی نجاست کے جو سیال ہو جیسے شراب، پیشاب وغیرہ اور اس پر مٹی نہ گری ہو تو اس کی پاکی بغیر دھوئے نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر نجاست غیر سیال ہو اور تازی ہو تب بھی بغیر دھوئے پاکی حاصل نہ ہوگی۔ اور اگر نجاست سیال ہو اور اس پر مٹی نہ ڈالی گئی ہو تو بغیر دھوئے پاکی حاصل نہیں ہوگی۔

"والمني نجس يجب غسل رطبه فإذا جف على الثوب اجزأ فيه الفرك"۔

منی کی پاکی کا طریقہ:

اور منی ناپاک ہے تر ہونے کی حالت میں اس کا دھونا ضروری ہے اور جب خشک ہو جائے خواہ کپڑے پر ہو یا بدن پر اس کا رگڑ دینا کافی ہے دھونا ضروری نہیں چونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا منی اگر تازی ہو تو اس کو دھو دو اور جب خشک ہو جائے تو اس کو کھرچ دو۔ لیکن آج کل چونکہ منی غلیظ نہیں ہوتی اس لئے ہر حال میں اس کا دھونا ضروری ہے۔

"والنجاسة إذا أصابت المرآة أو السيف اكتفى بمسحهما"۔

شیشہ یا تلوار کو پاک کرنے کا طریقہ:

شیشہ یا تلوار یا ان کی طرح کوئی بھی ایسی ثقیل چیز جس میں مسامات نہ ہوں

جیسے ہڈی، ناخون، تام چینی یا اسٹیل کے برتن وغیرہ پر اگر نجاست لگ جائے اور اس کو کسی کپڑے سے صاف کردیا جائے تو اس سے پاکی حاصل ہوجائے گی اس کا دھونا ضروری نہیں چونکہ مسامات نہ ہونے کی وجہ سے نجاست کے اندر گھسنے کا امکان نہیں چونکہ صرف پوچھنے سے ظاہری نجاست زائل ہوجائے گی۔

"وإذا أصابت الأرض نجاسة فجفت بالشمس وذهب أثرها جازت الصلاة بمكانها ولا يجوز التيمم منها"۔

ناپاک زمین کے پاک ہونے کا طریقہ:

زمین پر پڑی ہوئی نجاست خشک ہوجائے خواہ دھوپ کی وجہ سے خشک ہو یا سایہ میں ہوا سے خشک ہو اس طرح پر کہ اس کا اثر بالکلیہ زائل ہوجائے یعنی رنگ، مزہ بو، تینوں ختم ہوجائے تو وہ زمین پاک ہوگئی اب اس جگہ نماز پڑھنا جائز ہے البتہ اس مٹی سے تیمّم کرنا جائز نہیں اس لئے کہ نماز کے لئے طہارت شرط ہے اور تیمّم کے لئے طہوریت شرط ہے۔

"ومن أصابته من النجاسة المغلظة كالدم والبول والغائط والخمر مقدار الدرهم وما دونه جازت الصلاة معه وإن زاد لم تجز"۔

نجاست غلیظہ کا حکم:

نجاست مغلظہ جیسے خون، پیشاب، پائخانہ خواہ انسان کا ہو یا جانور کا مرغی،

بلغم وغیرہ بھی اسی میں داخل ہیں اگر ایک درہم یا اس سے کم لگ جائے تو اس کو دھوئے بغیر نماز جائز ہے اور اگر ایک درہم سے زائد ہو تو اس کو بغیر دھوئے نماز جائز نہیں۔ ایک درہم کی مقدار کثیر ہے اس سے کم قلیل ہے اور قلیل سے بچنا ممکن نہیں بخلاف کثیر کے اس سے بچنا ممکن ہے ایک درہم کی مقدار موضع استنجاء سے ماخوذ ہے۔ درہم کی مقدار مساحت اور وزن دونوں اعتبار سے ثابت ہے، رقیق نجاست میں مساحت معتبر ہے جس کی مقدار ہتھیلی کی گہرائی ہے اور کثیف نجاست میں وزن معتبر ہے یعنی مقدار درہم اس طرح دونوں روایات فقہیہ میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

"وإن أصابته نجاسة مخففة كبول ما يؤكل لحمه جازت الصلاة معه ما لم تبلغ ربع الثوب"۔

نجاست خفیفہ کا حکم:

اور اگر بدن یا کپڑے کو نجاست خفیفہ لگ جائے جیسے ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھانا جائز ہے مثلاً گائے، بیل، بھینس، بکرا، بکری، گھوڑا وغیرہ اور وہ نجاست چوتھائی سے کم ہو تو اس نجاست کو دور کئے بغیر نماز جائز ہے۔

نجاست خفیفہ کی مثال مصنفؒ نے جو صرف (بول) پیشاب سے دی ہے چونکہ ما یؤکل لحمہ کا پائخانہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غلیظہ میں داخل ہے لیکن امام ابو یوسف ومحمدؒ خفیفہ قرار دیتے ہیں اور اخیر عمر میں امام محمدؒ اس کی طہارت کے قائل

ہو گئے تھے علامہ شرنبلالی نے صاحبین کے قول کو اظہر قرار دیا ہے اور اس کی علت عموم بلوی بتلایا ہے کہ راستے عام طور پر ان نجاستوں سے بھرے رہتے ہیں جس کی وجہ سے بچنا بہت مشکل ہے۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ چوتھائی کپڑے سے کیا مراد ہے آیا پورے کپڑے کا چوتھائی یا کپڑے کے ہر جز کا چوتھائی ؟

ایک قول یہ ہے کہ پورے کپڑے کا چوتھائی مراد ہے چنانچہ اکثر اصحاب متون کا رجحان اسی طرف ہے صاحب مبسوط نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ کپڑے کا ہر جز معتبر ہے لہذا دامن، آستین، کلی الگ الگ شمار ہوں گے، لہٰذا اگر آستین پر نجاست لگی اس کا چوتھائی دیکھا جائے گا اسی طرح بدن کے ہر عضو کی مستقل ایک حیثیت ہے جیسے ہاتھ، پاؤں، پیٹ، کمر وغیرہ صاحب تحفہ، محیط، مجتبیٰ وغیرہ نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے اور بعض فقہاء نے علیہ الفتوی کی مہر اسی قول پر لگائی ہے۔ الغرض تصحیح بھی مختلف فیہ ہے لیکن احوط یہی ہے کہ دوسرے قول کو اختیار کیا جائے۔

چوتھائی کے ساتھ تحدید تیسیراً علی الناس ہے ورنہ عموماً حضرت امام ابوحنیفہؒ اس انداز کے مسائل میں قلت و کثرت کی تعیین مبتلا بہ کے حوالے کر دیتے ہیں، بعض احکام میں چونکہ چوتھائی کو کل کا درجہ دیا گیا ہے اسی وجہ سے یہاں پر بھی چوتھائی سے تحدید کی گئی ہے (ہدایہ)۔

”وتطهير النجاسة التي يجب غسلها على وجهين فما كان له منها عين مرئية فطهارتها زوال عينها إلا أن يبقى من أثرها ما يشق إزالتها وما ليس له عين مرئية فطهارتها أن يغسل حتى يغلب على ظن الغاسل أنه قد طهر“۔

نجاست مرئیہ اور غیر مرئیہ کا حکم:

جن نجاستوں کا دھونا ضروری ہے ان کی دو قسمیں ہیں (۱) ایسی نجاست جو دکھائی دے جیسے خون، پائخانہ وغیرہ، (۲) جو دکھائی نہ دے جیسے پیشاب، شراب وغیرہ، دکھائی دینے والی نجاست کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بدن یا کپڑا جہاں وہ نجاست لگی ہے اس کو دور کر دیا جائے خواہ ایک مرتبہ میں ہو یا چند مرتبہ میں لیکن اگر عین نجاست کے ازالہ کے بعد اس کا اثر یعنی رنگ یا بو باقی رہ جائے تو مزید دھویا جائے الا یہ کہ اس میں مشقت ہو یعنی رنگ یا بو بغیر صابون یا صرف یا گرم پانی کے زائل ہونے والا نہ ہو تو اس کے رہ جانے میں کوئی مضائقہ نہیں چونکہ ہر جگہ ہر ایک کو یہ چیزیں میسر نہیں لہذا عین نجاست کا ازالہ طہارت کے لئے کافی ہے۔

دکھائی نہ دینے والی نجاست کی پاکی کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو اتنا دھویا جائے کہ دھونے والے کو اس کی پاکی کا یقین ہو جائے باقی حضرات فقہاء نے جو یہ کہا ہے کہ تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا یہ تقدیر صرف عوام کی سہولت کے لئے ہے

اورعموماً تین مرتبہ دھونے کے بعد پا کی کا ظن غالب ہوجاتا ہےاور تین مرتبہ دھونے میں ہرمرتبہ نچوڑنا ضروری ہے چونکہ نچوڑنے ہی سے نجاست نکلے گی اوراگر بدن پر ہو تو رگڑنا ضروری ہے۔

"والاستنجاء سنة يجزى فيها الحجر والمدر وما يقوم مقامهما يمسحه حتى ينقيه وليس فيه عدد مسنون وغسله بالماء أفضل وإن تجاوزت النجاسة مخرجها لم يجز فيه إلا الماء أو المائع ولا يستنجي بعظم ولا روث ولا بطعام ولا بيمينه"۔

استنجاء کا حکم:

استنجاء یعنی رفع حاجت کے بعد جسم پر لگی ہوئی گندگی کو دور کرنا سنت مؤکدہ ہے خواہ مرد ہو یا عورت اور استنجاء کے لئے ہر ایسی چیز کا استعمال درست ہے جو پاک ہو اور بغیر ضرر کے نجاست کو دور کرنے کی صلاحیت رکھے، قابل احترام نہ ہو قیمتی شیٔ نہ ہو مٹی کا ڈھیلا سب سے بہتر ہے اس کو لے کر مخرج کو صاف کرنے میں چونکہ مقصود صفائی ہی ہے اس میں کسی عدد کی پابندی نہیں نہ ہی عدد مسنون ہے البتہ تین ڈھیلے سے استنجاء مستحب ہے چاہے دو ہی ڈھیلے سے صفائی ہوجائے۔اور ڈھیلے کے بعد پانی سے مخرج کا دھونا افضل ہے بشرطیکہ اس کے لئے ایسی جگہ میسر ہو جہاں لوگوں کی نگاہ شرم گاہ پر نہ پڑے ورنہ ڈھیلے ہی پر اکتفا کرے چونکہ لوگوں کے سامنے کشف عورت حرام ہے اس

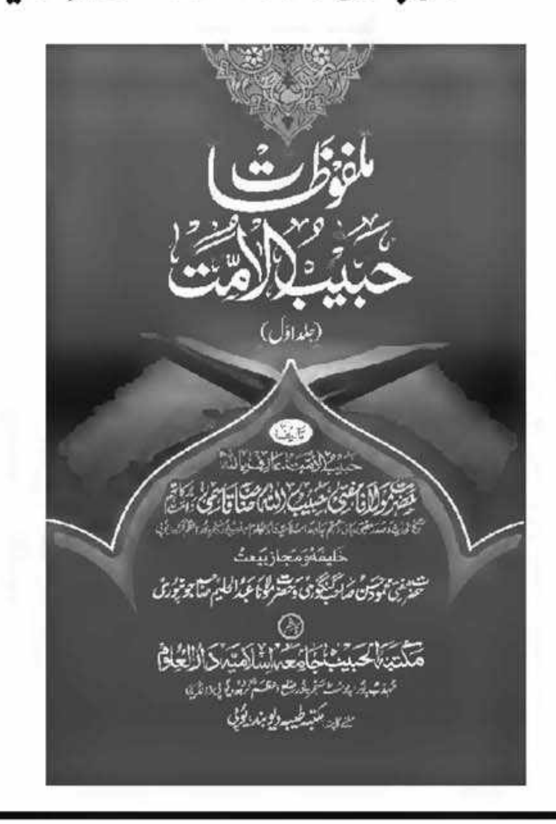
سے انسان فاسق ہو جاتا ہے اور اگر نجاست مخرج سے متجاوز ہو جائے تب صرف ڈھیلا کافی نہیں بلکہ پانی کا استعمال ضروری ہے۔ ہڈی یا لید سے استنجاء نہ کرے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اسی طرح انسان یا جانور کی غذا سے استنجاء نہ کرے چونکہ اس کی توہین ہے نیز داہنے ہاتھ سے استنجاء نہ کرے چونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے الا یہ کہ داہنے ہاتھ میں کوئی عذر ہو تب کوئی مضائقہ نہیں۔

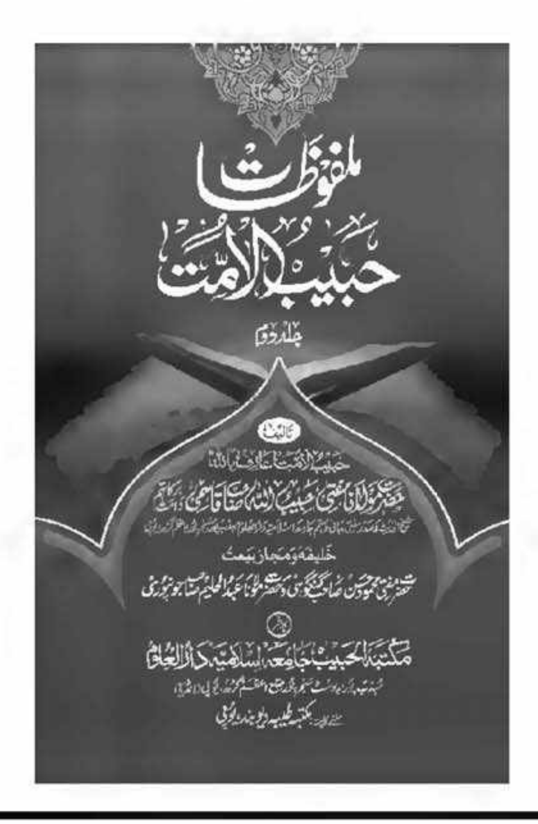
☆☆☆

ملفوظات حبیب الامت

(جلد اول، دوم)

مختلف اوقات میں مختلف امکنہ ومختلف مجالس میں اس خادم نے کبھی عوام سے کبھی خواص سے کبھی طلباء سے کبھی اساتذہ سے کبھی علماء سے کبھی جہلاء سے جو کچھ القائی والہامی کتب بینی اور قطب بینی کی برکت سے جو باتیں کہیں یا کہتا رہا ان کو بعض تلامذہ منتسبین، محبین، متعلقین وخلفاء نوٹ کر کے جمع کرتے رہے، جب ان کی مقدار زیادہ ہوگئی تو احباب وتلامذہ، خلفاء ومریدین کے اصرار پر ملفوظات حبیب الامت کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو کر عوام وخواص امت، اکابرین واصاغرین کے ہاتھوں میں پہونچ گئی جس نے پڑھا پسند کیا اور عام ملفوظات سے ہٹ کر ایک نیا اسلوب وانداز الہامی و القائی باتوں وارشادات کا مجموعہ قرار دیا۔





کتاب الصلوٰۃ

وسائل عبادت کے بعد اب مصنفؒ مقصود کو بیان فرما رہے ہیں چونکہ مقصد تخلیق عبادت باری تعالی ہے اور عبادات میں سب سے اہم نماز ہے اس لئے سب سے پہلے نماز اور اس کے اوقات کو بیان فرما رہے ہیں، ''صلوٰۃ'' عربی لفظ ہے اس کے لغوی معنی دعا کے ہیں، چنانچہ قرآن پاک میں بھی لفظ صلوٰۃ دعاء کے معنی میں مستعمل ہے، ارشاد باری ہے:''وصل علیھم'' یعنی ان کے لئے دعا کریں۔

اصطلاح شریعت میں صلوٰۃ ان افعال مخصوصہ کو کہتے ہیں جن کی ابتداء تکبیر سے اور اختتام سلام پر ہوتا ہے نماز ہر مکلّف پر فرض عین ہے لیکن بچہ جب سات سال کا ہو جائے تو اس کو نماز کا حکم دینا واجب ہے اور جب دس سال کا ہو جائے اور نماز میں کوتاہی کرے اس کو مارنا واجب ہے لیکن ہاتھ سے مارا جائے لکڑی سے نہیں نماز کا منکر کافر ہے اور جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے کو قید کر دیا جائے اور اس کی پٹائی کی جائے یہاں تک کہ وہ توبہ کر کے نماز شروع کر دے۔

"أول وقت الفجر إذا طلع الفجر الثاني،وهو البياض المعترض في الافق، وآخر وقتها ما لم تطلع الشمس وأول وقت الظهر إذا زالت الشمس وآخر وقتها عند أبي حنيفة رحمه الله إذا صار ظل كل شيئ مثليه سوى فيئ

الزوال وقال أبويوسف ومحمد إذا صار ظل كل شيئ مثله"۔

فجر اور ظہر کی نماز کا ابتداء وقت اور انتہاء وقت کا بیان:

فجر کی نماز کے وقت کی ابتداء وانتہاء میں چونکہ کسی کا اختلاف نہیں ہے اس لئے وقت فجر سے بیان اوقات کی ابتداء کی گئی ہے۔

وقت فجر کی ابتداء صبح صادق سے ہے اور صبح صادق سے مراد وہ سفیدی ہے جو آسمان کے ایک کنارہ پر نمودار ہوتی ہے اور پھیلتی جاتی ہے بخلاف صبح کاذب کے جو صبح صادق سے پہلے ہوتی ہے اس کی روشنی آسمان پر تھوڑی دیر رہنے کے بعد ختم ہوجاتی ہے۔ اور وقت فجر کی انتہاء طلوع شمس سے کچھ پہلے ہوجاتی ہے۔

وقت ظہر کی ابتداء زوال کے بعد ہوجاتی ہے لیکن انتہاء وقت ظہر میں اختلاف ہے حضرت امام ابوحنیفہ اور ایک روایت کے مطابق امام محمدؒ اس کے قائل ہیں کہ سایۂ اصلی کے علاوہ جب سایہ دو مثل ہوجائے تب ظہر کا وقت ختم ہوتا ہے، صاحب بدائع، منیہ، محیط وغیرہ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے، برہان الشریعہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ علامہ نسفی نے اسی پر اعتماد کیا ہے، صدر الشریعہ اسی کے موافق ہیں صاحب غیاثیہ نے اسی کو مختار قرار دیا ہے، اصحاب متون نے اسی کو اختیار کیا ہے، شراح کا پسندیدہ قول یہی ہے۔

لیکن امام ابویوسف ومحمد کے نزدیک ایک مثل پر ظہر کا وقت ختم ہوجاتا ہے، امام زفر اور ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں، امام طحاوی کے نزدیک معمول بہا یہی ہے،

برہان میں اسی کو اظہر قرار دیا ہے، فیض میں علیہ عمل الناس الیوم و بہ یفتی کی تصریح ہے علامہ شامی نے بحوالہ سراج دونوں اقوال میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ظہر کی نماز مثل اول ختم ہونے سے قبل ادا کرلی جائے اور عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھی جائے تاکہ غیر مختلف فیہ وقت میں دونوں نمازیں ادا ہو جائیں۔

"وأول وقت العصر إذا خرج وقت الظهر على القولين وآخر وقتها ما لم تغرب الشمس وأول وقت المغرب إذا غربت الشمس وآخر وقتها ما لم تغب الشفق وهو البياض الذى يُرى فى الأفق بعد الحمرة عند أبى حنيفة وقال أبويوسف ومحمد هو الحمرة"۔

عصر اور مغرب کا ابتدائی اور انتہائی وقت:

عصر کا وقت علی اختلاف الاقوال ایک مثل یا دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے اور غروب سے کچھ قبل ختم ہو جاتا ہے اور مغرب کا وقت بالاتفاق غروب شمس کے بعد شروع ہوتا ہے البتہ اس کے انتہاء وقت میں اختلاف ہے کہ شفق کے غائب ہونے پر جو اس کا وقت ختم ہوتا ہے تو شفق سے کیا مراد ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شفق سے مراد وہ سفیدی ہے جو افق پر سرخی ختم ہونے کے بعد پھیلتی ہے اور کچھ دیر تک باقی رہتی ہے۔

لیکن امام ابویوسفؒ و محمدؒ اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شفق سے مراد وہ سرخی ہے جو سورج کے غروب کے بعد افق پر نمودار ہوتی ہے لہٰذا

سرخی کے ختم ہونے پر مغرب کا وقت بھی ختم ہو جاتا ہے، حضرات ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں صاحب درایہ نے صاحبین ہی کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: **وعلیه الفتوی**، شرح منظومہ میں حضرت امام صاحب کا رجوع بھی مذکور ہے جب حضرت امام صاحب کے نزدیک یہ بات متحقق ہوگئی کہ اکثر صحابہ نے شفق کو حمرۃ (سرخی) پر محمول کیا ہے تو آپ نے اپنے قول سے رجوع کرلیا شرح منظومہ میں بھی وعلیہ الفتوی کی تصریح ہے، علامہ محبوبی اور صدر الشریعہ نے بھی اسی قول کی اتباع کی ہے۔

لیکن صاحب فتح القدیر ابن ہمام اور ان کے تلمیذ علامہ قاسم بن قطلو بغا نے حضرت امام صاحب کے قول کی تصحیح کی ہے اور صاحب البحر الرائق ابن نجیم بھی اسی کے قائل ہیں لیکن علامہ شامی نے اکثر شہروں میں حضرات صاحبین ہی کے قول کو معمول بہا بتلایا ہے جس سے ان کے رجحان کا پتہ لگتا ہے، "**لکن تعامل الناس الیوم فی عامة البلاد علی قولهما**" (اور دیگر بہت سے فقہاء کا فتوی علی قول الصاحبین نقل کیا ہے۔

الحاصل اس مسئلہ میں بھی تصحیح مختلف ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ مغرب کی نماز غروب کے بعد افق پر نمودار ہونے والی سرخی کے ختم ہونے سے قبل مکمل کرلی جائے اور عشا کی نماز سرخی کے بعد افق پر نمودار ہونے والی سفیدی کے ختم ہونے پر شروع کی جائے تاکہ دونوں نمازیں متفق علیہ قول پر ختم وشروع ہوں۔

"وأول وقت العشاء إذا غاب الشفق وآخر وقتها مالم يطلع الفجر الثاني وأول وقت الوتر بعد العشاء وآخر وقتها ما لم يطلع الفجر"۔

عشاء کے وقت کی ابتداء وانتہاء:

عشاء کی نماز کا وقت غروب شفق کے بعد شروع ہوتا ہے اور صبح صادق سے کچھ قبل ختم ہو جاتا ہے لیکن یہ وقت جواز ہے نصف لیل کے بعد بلا عذر شرعی تاخیر مکروہ ہے اور ثلث لیل تک تاخیر مستحب ہے اور وتر کی نماز کا ابتدائی وقت عشاء کے بعد ہے لیکن بعدیت کی بات صرف حضرات صاحبین فرماتے ہیں حضرت امام ابوحنیفہؒ عشاء اور وتر دونوں کا ایک ہی وقت قرار دیتے ہیں۔ لیکن تذکر کی حالت میں عشاء پر وتر کو مقدم کرنے کی اجازت امام صاحب بھی نہیں دیتے۔ اور صبح صادق سے کچھ قبل تک عشاء کی طرح وتر کا بھی وقت رہتا ہے ایسا علاقہ جہاں عشاء کا وقت ہی نہ آتا ہو غروب کے بعد طلوع ہو جاتا ہو وہاں کے رہنے والوں پر صاحب کنز علامہ نسفی اور صاحب ملتقی اور صاحب درمختار علامہ علاؤ الدین حصکفی کی تحقیق کے مطابق عشاء اور وتر کی نماز فرض نہیں علامہ بقالی وغیرہ نے اسی پر فتوی دیا ہے۔

"ویستحب الإسفار بالفجر والإبرادبالظهر فی الصیف وتقدیمها فی الشتاء وتأخیر العصر ما لم تتغیر الشمس وتعجیل المغرب وتأخیر العشاء إلی ما قبل ثلث اللیل"۔

فجر کی نماز کا وقت مستحب:

مردوں کے لئے فجر کی نماز اسفار میں ادا کرنا مستحب ہے چونکہ اسفار میں

نماز ادا کرنے میں اللہ کے رسول ﷺ نے زیادہ اجر بتلایا ہے، "**أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر**" اسفار مستحب کی تحدید حضرات فقہاء نے اس طرح کی ہے کہ طلوع سے اتنا قبل نماز شروع کی جائے کہ ترتیل کے ساتھ ساٹھ یا چالیس آیت کی تلاوت نماز میں کی جائے اور کسی وجہ سے اگر نماز فاسد ہو جائے تو وضو کر کے اسی طرح اس کا اعادہ کیا جا سکے۔

عورتوں کے لئے نماز فجر کا وقت مستحب:

عورتوں کے لئے فجر کی نماز غلس (اندھیرے) میں ادا کرنا مستحب ہے چونکہ غلس ان کے لئے استر ہے اور فجر کے علاوہ نمازوں میں مردوں کی جماعت مسجد میں ختم ہو جائے اس کے بعد وہ اپنی نماز شروع کریں (کذا فی المجتبی ومعراج الدرایۃ)۔

گرمی میں ظہر کا وقت مستحب:

اور گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز دھوپ کی حرارت کم ہونے پر ادا کرنا مستحب ہے ابراد کی تحدید بعض فقہاء نے اس طرح کی ہے کہ دیوار وغیرہ کا سایہ اتنا ہو جائے کہ اس سایہ میں چل کر لوگ مسجد جا سکیں اور یہ حکم حضرت نبی پاک ﷺ کا عام ہے "**أبردوا بالظهر**" خواہ ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جائے یا تنہا اور خواہ وہ علاقہ گرم ہو یا ٹھنڈا خواہ گرمی کی سختی ہو یا نہ ہو "**كذا في معراج الدراية**"۔

سردی میں ظہر کا وقت:

اور سردی کے موسم میں ظہر کی نماز میں تعجیل مستحب ہے یہی حکم موسم ربیع اور خریف کا بھی ہے، کذافی الامداد عن مجمع الروایات۔

نماز عصر کا وقت مستحب:

اور عصر کی نماز میں تاخیر ہر موسم میں مستحب ہے تاکہ نوافل پڑھنے والوں کو عصر سے قبل زیادہ سے زیادہ نوافل کا وقت مل سکے چونکہ عصر کے بعد حنفیہ کے نزدیک نفل مکروہ ہے لیکن اتنی تاخیر نہ کرے کہ سورج متغیر ہوجائے یعنی سورج کے ٹکیہ پر بسہولت نگاہ جمنے لگے۔ بلا عذر شرعی اتنی تاخیر مکروہ ہے۔

مغرب کا وقت مستحب:

اور مغرب کی نماز میں تعجیل ہر موسم میں مستحب ہے اذان واقامت کے درمیان صرف تین آیت کے بقدر یا معمولی سی بیٹھک کا فاصلہ ہونا چاہئے۔

عشاء کا وقت مستحب:

عشاء کی نماز میں ثلث لیل سے قبل تک تاخیر مستحب ہے لیکن ثلث سے مراد ثلث اول ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جب آسمان ابر آلود نہ ہو ورنہ عشاء میں بھی تعجیل

مستحب ہے لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب گھڑیوں کا رواج نہیں تھا لوگ ستاروں سے وقت کی تعیین کرتے تھے اب جب کہ گھڑیوں کا دور ہے ایسے دور میں وقت کی تعیین مشکل نہیں لہٰذا اب بادلوں کے ایام میں بھی تاخیر کا استحبابی حکم باقی رہے گا۔

”ویستحب فی الوتر لمن یألف صلاۃ اللیل أن یوخر الوتر إلی آخر اللیل فإن لم یثق بالانتباہ أوتر قبل النوم“۔

وتر کا وقت مستحب:

جو شخص تہجد کا عادی ہو اور معمول کے مطابق تہجد کے وقت بیدار ہو جاتا ہو اس کے لئے وتر کی نماز کو موخر کر کے تہجد کے بعد ادا کرنا مستحب ہے اور اگر تہجد میں بیداری کی عادت نہ ہو تب عشاء بعد ہی وتر کی نماز ادا کر لے تاکہ وتر کی نماز قضا نہ ہو۔

لیکن اگر کوئی شخص عشاء کے بعد وتر پڑھ لے اور پھر تہجد کے وقت بیدار ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ تہجد کی نماز ادا کرے اور وتر کی نماز دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ وتر کی نماز تہجد کے ساتھ آخر لیل میں پڑھنے کی حضرت نبی پاک ﷺ اور صحابہ واسلاف کی ایسی سنت ہے جو تیزی کے ساتھ متروک ہوتی جارہی ہے پوری پوری بستی آج کے دور میں اس سنت سے خالی نظر آرہی ہے، فإلی اللہ المشتکی۔

☆☆☆

باب الاذان

اذان کے لغوی واصطلاحی معنی:

اذان کے لغوی معنی اعلام خبر دینے کے ہیں اصطلاح شریعت میں مخصوص الفاظ کے ذریعہ مخصوص طریقہ پر ایک خاص عمل کی اطلاع وخبر دینے کا نام اذان ہے اس کی مشروعیت کی ایک طویل تاریخ ہے جس کی تفصیل کتب احادیث میں مذکور ہے۔

"الأذان سنة للصلوات الخمس والجمعة دون ما سواها"۔

اذان کا حکم:

صرف مردوں کے لئے اذان سنت مؤکدہ ہے کہ پانچوں نمازوں میں سے ہر ایک سے قبل اذان دیں نیز جمعہ کے لئے بھی اذان سنت مؤکدہ ہے باقی عیدین، جنازہ، تراویح، وتر، سورج گرہن، چاند گرہن وغیرہ کے لئے اذان مشروع نہیں۔

"وصفة الأذان أن يقول الله أكبر الله أكبر إلى آخره ولا ترجيع فيه ويزيد في أذان الفجر بعد الفلاح الصلوة خير من النوم مرتين"۔

اذان کا طریقہ:

اذان کا طریقہ یہ ہے کہ شروع میں تکبیر چار مرتبہ کہے اور باقی الفاظ دو دومرتبہ، حنفیہ کے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں ہے بلکہ صاحب ملتقی نے ترجیع کو مکروہ قرار دیا ہے۔ ترجیع کا طریقہ یہ ہے کہ شہادتین کو دومرتبہ پست آواز سے ادا کرے اس کے بعد دومرتبہ بلند آواز سے، اور فجر کی اذان میں حی علی الفلاح دومرتبہ کہنے کے بعد دومرتبہ "الصلاۃ خیر من النوم" کہے، چونکہ یہ سونے کا وقت ہے۔

"والإقامة مثل الأذان إلا أنه يزيد فيها بعد الفلاح قد قامت الصلاة مرتين، ويترسل فی الأذان ويحدر فی الإقامة ويستقبل بهما القبلة فإذا بلغ إلى الصلاة والفلاح حول وجهه يميناً وشمالاً"۔

اقامت کا طریقہ:

اور اقامت اذان کی طرح ہے یعنی شروع میں چار مرتبہ تکبیر اور باقی الفاظ دو دومرتبہ البتہ اقامت میں دومرتبہ حی علی الفلاح کہنے کے بعد "قد قامت الصلاۃ" دو مرتبہ کہے۔

اذان کے کلمات کو ٹھہر ٹھہر کر ادا کرے اس طور پر کہ دو کلموں کے درمیان سکتہ کرے اور ہر کلمہ کو الگ الگ سانس میں ادا کرے البتہ اقامت کے کلمات جلدی ادا کرے بایں طور کہ دو کلموں کو ایک سانس میں کہے۔ اور اذان و اقامت قبلہ کی طرف

رخ کر کے کہے اور جب حی علی الصلاۃ کہے تو صرف چہرہ داہنی طرف گھمائے، پاؤں اپنی جگہ پر رکھے اور جب حی علی الفلاح کہے تو چہرہ بائیں طرف گھمائے یہ حکم اذان واقامت دونوں کے لئے ہے لوگ اس مسئلہ سے ناواقف ہیں اس لئے اقامت میں حیعلتین پر چہرہ نہیں گھماتے حالانکہ اقامت میں بھی چہرہ گھمانا چاہئے۔

مناجات اور منادات میں فرق:

اذان میں مناجات کے ساتھ منادات بھی ہے اور مناجات میں مناجی کا چہرہ قبلہ کی طرف ہونا چاہئے اور منادات میں منادی کا چہرہ دائیں بائیں گھومنا چاہئے تاکہ مقصد نداء فوت نہ ہو۔ حیعلتین نداء ہے لہذا اس میں منادی (مؤذن) چہرہ دائیں بائیں گھمائے اور باقی جملے مناجات کے ہیں لہذا ان میں تحویل وجہ کی ضرورت نہیں۔

"ویوذن للفائتة ویقیم فإن فاتته صلوات أذن للأولی وأقام وکان مخیراً فی الباقیة إن شاء أذن وأقام وإن شاء اقتصر علی الإقامة"۔

فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان واقامت کا حکم:

فوت شدہ نمازوں کی قضا جب کی جائے تو اذان واقامت کے ساتھ قضاء کی جائے چونکہ فائتہ حاضرہ کے درجہ میں ہے لہذا حاضرہ کے لئے جس طرح اذان واقامت ہے اسی طرح فائتہ کے لئے بھی اذان واقامت ہے اگر کسی شخص کی چند نمازیں قضاء ہوں اور ان کو ایک ہی مجلس میں ادا کرنے کا ارادہ ہو تو فوت شدہ پہلی نماز کے لئے اذان

واقامت دونوں کہے اور اس کے بعد کی نمازوں کے لئے جی چاہے تو اذان واقامت کہے اگر نہ کہے تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن کہنا اولی ہے اور اگر چاہے تو صرف اقامت پر اکتفاء کر لے۔ اور اگر چند مجالس میں فوت شدہ نمازوں کی قضا کی گئی اور ایک مجلس میں ایک سے زائد نمازیں ادا کی گئیں تب اذان واقامت کی وہی تفصیل ہے جو اوپر گزر چکی اور اگر صرف ایک ایک نماز کی قضا کی گئی تب ہر نماز کے لئے الگ الگ اذان واقامت کہے۔

"وينبغي أن يؤذن ويقيم على طهر فإن أذن على غير وضوء جاز ويكره أن يقيم على غير وضوء أو يؤذن وهو جنب ولا يؤذن لصلاة قبل دخول وقتها الا في الفجر عند أبي يوسف"۔

اذان واقامت کے لئے طہارت کا حکم:

مؤذن اذان واقامت باوضو کہے تاکہ جس کی یہ دعوت دے رہا ہے اس کے لئے عملی طور پر خود بھی تیار ہو لیکن اگر بغیر وضو کے اذان دیدی تب بھی اذان ہو جائے گی چونکہ اذان ذکر ہے نماز نہیں اور اذکار کے لئے وضو مستحب ہے (ہدایہ)۔ بخلاف اقامت کے چونکہ بلا وضو اقامت مکروہ ہے۔ وقت سے پہلے نماز کے لئے اذان نہ دی جائے اگر دیدی گئی تو وقت میں اس کا اعادہ کیا جائے چونکہ اذان اعلام کے لئے ہے اور وقت سے قبل اذان دینے میں دھوکا ہے لیکن امام ابو یوسفؒ صرف اذان فجر میں گنجائش کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں اگر رات کے نصف اخیر میں فجر کی اذان دیدی گئی تو جائز ہے اور اس کی علت توارث اہل حرمین قرار دیتے ہیں لیکن مفتی بہ قول اذان فجر میں بھی اعادہ کا ہے۔

باب شروط الصلوٰة التی تتقدمها

شرط کے لغوی واصطلاحی معنی:

شروط شرط کی جمع ہے لغت میں اس کے معنی علامت کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں جس پر شی کا وجود موقوف ہو لیکن اس کی ماہیت سے وہ خارج ہو اور اس کے وجود میں وہ مؤثر نہ ہو اس کو شرط کہتے ہیں اس باب میں صرف انہیں شرطوں کا بیان ہے جو نماز پر مقدم ہیں جو مؤخر ہیں یا مقارن ہیں ان کا بیان باب صفۃ الصلاۃ میں آئے گا جن شرطوں کو مصنفؒ اسباب میں بیان فرمارہے ہیں ان کی تعداد چھ ہے، لیکن ان میں سے ایک شرط وقت ہے جس کا بیان اس سے پہلے ہو چکا ہے اب باقی پانچ شرطوں کا ذکر آگے آرہا ہے۔

"یجب علی المصلی أن یقدم الطهارة من الأحداث والأنجاس علی ما قدمناه ویستر عورته والعورة من الرجل ما تحت السرة إلی الرکبة والرکبة عورة دون السرة، وبدن المرأة الحرة کله عورة إلا وجهها وکفیها وقدمیها وما کان عورة من الرجل فهو عورة من الأمة وبطنها وظهرها عورة وما سوی ذلک من بدنها فلیس بعورة"۔

نماز کے لئے شرائط خمسہ کا بیان:

شرائط خمسہ میں سے پہلی اور دوسری شرط یہ ہے کہ نماز سے قبل بدن کپڑے وغیرہ کو مکمل پاک صاف کرے کسی طرح کی گندگی ونجاست نہ رہ جائے خواہ حدث اصغر ہو یا اکبر نجاست غلیظہ ہو یا خفیفہ ہر ایک سے پاکی حاصل کرے۔

نماز کی تیسری شرط کا بیان:

تیسری شرط یہ ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنے تک کو چھپالے یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ناف اور گھٹنہ ستر عورت میں داخل ہے اور ستر عورت کا اظہار عمومی احوال میں بھی جائز نہیں حتی کہ اگر تنہائی میں یا تاریک کمرہ میں ہو تب بھی بلا عذر شرعی ستر عورت کا اظہار جائز نہیں، اور آزاد عورت کا پورا بدن عورت ہے یعنی واجب التستر ہے سوائے چہرہ اور ہتھیلی کے، لیکن متاخرین فقہاء ومفتیان عصر نے معاشرہ کی تیزی کے ساتھ بڑھتی ہوئی بگاڑ کو دیکھ کر چہرہ کو بھی ستر میں داخل فرمایا ہے، نیز چہرہ پورے اعضاء کا غماز وعکاس ہوا کرتا ہے جس سے غیر قیّاس لوگ بھی تخیلاتی قیاس آرائیوں کے شکار ہو جاتے ہیں اس لئے چہرہ بھی موجب فتنہ ہے اور اس کو بھی آج کے دور میں چھپانا ضروری ہے۔ ہاتھ کا ظاہری وباطنی دونوں حصہ اصح قول کے مطابق ستر سے خارج ہے۔ لیکن عصر حاضر میں ہاتھوں میں دستانہ پہن کر عورتیں باہر نکلیں تو بہتر ہے

دونوں پاؤں ستر عورت میں داخل ہے لیکن اصح قول کے مطابق ستر میں داخل نہیں صاحب جوہرہ کی رائے یہ ہے کہ دیکھنے اور چھونے میں ستر میں داخل ہے یعنی بلا ضرورت شرعیہ قدم کو چھونے اور دیکھنے کی بھی اجازت نہیں لیکن نماز کے لئے عورت میں داخل نہیں یعنی نماز کی حالت میں اگر قدم کھل جائے یا کھلا رہے تو نماز ہو جائے گی صاحب اختیار نے اسی کو اختیار کیا ہے علامہ علاء الدین حصکفی نے اسی کو قول معتمد قرار دیا ہے لیکن امام محمد نے اس کو عورت میں داخل کیا ہے اور صاحب فتاوی خانیہ نے نماز کی حالت میں عورت کے قدم کے چوتھائی حصہ کے کھلنے کو مفسد صلاۃ قرار دیا ہے۔

اس لئے بہتر یہ ہے کہ عورتیں نماز کی حالت میں قدم کو مستور رکھیں تا کہ متفقہ طور پر نماز درست ہو جائے البتہ عمومی احوال میں اگر قدم کھلا رہے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اس حال میں بھی بہتر یہ ہے کہ موزہ پہن کر نکلا کریں تا کہ دوسروں کی نگاہ بد سے قدم محفوظ رہے۔

اور باندی خواہ مدبرہ ہو یا مکاتبہ یا ام ولد اس کے بھی جسم کا وہ حصہ عورت ہے جو مرد کا ہے یعنی ناف سے گھٹنہ تک البتہ باندی کا پیٹ اور اس کی کمر بھی عورت میں داخل ہے باقی اس کے علاوہ اعضاء کے ظہور میں کوئی حرج نہیں۔

نماز کی حالت میں اعضاء مستورہ کے چوتھائی حصہ کا کھلنا اور ایک رکن کی ادائیگی کے بقدر کھلا رہنا مفسد صلاۃ ہے لہذا اگر چوتھائی سے کم حصہ کھلے یا ایک رکن سے کم مقدار میں کھلا رہے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

”ومن لم يجد ما يزيل به النجاسة صلى معها ولم يعد الصلاة ومن لم يجد ثوباً صلى عرياناً قاعداً يومي بالركوع والسجود، فإن صلى قائماً أجزاه والأول أفضل“۔

نجاست کے ساتھ اور ننگے نماز کا حکم:

اور جو شخص ایسی کوئی چیز نہ پائے جس کے ذریعہ نجاست دور کرے تو نجاست کے ساتھ نماز پڑھ لے بعد میں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

لیکن اگر چوتھائی کپڑا یا اس سے زیادہ پاک ہو تب اسی کپڑے کو پہن کر نماز پڑھنا ضروری ہے، ایسی صورت میں ننگے اگر نماز پڑھ لی تو جائز نہیں اور اگر چوتھائی سے کم حصہ کپڑے کا پاک ہو تب اختیار ہے خواہ ننگے نماز پڑھ لے یا اس کپڑے کو پہن کر نماز پڑھے لیکن اس صورت میں کپڑا پہن کر نماز پڑھنا افضل ہے۔

اور جس شخص کو کپڑا نہ ملے اگر چہ اباحۃً ہی کیوں نہ ہو وہ بیٹھ کر ننگے اس طرح نماز ادا کر لے کہ وہ اپنے دونوں پاؤں کو قبلہ کی طرف پھیلا لے چونکہ اس ہیئت میں پردہ پوشی زیادہ ہے۔ اور بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ تشہد کی حالت میں بیٹھنے کی جو ہیئت ہوتی ہے اس کو اختیار کرے اور رکوع وسجدہ اشارہ سے کرے۔ لیکن اگر کھڑا ہو کر نماز ادا کرے اور رکوع وسجود اسی حال میں کرے تب بھی نماز ہو جائے گی لیکن بیٹھ کر نماز ادا کرنا اور رکوع وسجود اشارہ سے کرنا افضل ہے۔

”وینوی الصلوۃ التی یدخل فیها بنیۃ لا یفصل بینها وبین التحریمۃ بعمل“۔

شرائط خمسہ میں سے چوتھی شرط کا بیان:

شرائط صلوۃ میں سے چوتھی شرط یہ ہے کہ جس نماز کو ادا کرنا چاہتا ہے اس کی نیت کرے اور فوراً تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں مشغول ہو جائے نیت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کسی منافی صلاۃ عمل کا فاصلہ نہ ہو اور بہتر یہ ہے کہ نیت اور تکبیر تحریمہ دونوں ایک ساتھ ہوں وقت شروع سے نیت کی تاخیر کو علامہ اسبیجابی نے ظاہر روایت کے مطابق نادرست قرار دیا ہے۔

نیت کے مباحث:

نفل اور سنت میں مطلقاً نماز کی نیت کافی ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے اس کی تصریح کی ہے، لیکن نوافل وسنن میں بھی تعیین افضل واحفظ ہے، لیکن فرائض میں تعیین ضروری ہے ظہر یا عصر یا مغرب وغیرہ دن اور وقت کی تصریح ضروری نہیں بشرطیکہ نماز اپنے وقت مقررہ پر ادا کی جارہی ہو اور اگر نماز قضاء ہو تو دن اور وقت کی تعیین ضروری ہے۔ فرائض ہی کے حکم میں واجبات بھی ہیں یعنی نماز وتر، نذر، سجدۂ تلاوت، لہٰذا ان میں بھی تعیین ضروری ہے۔ البتہ عدد رکعات کی تعیین ضروری نہیں لہذا

اگر تعداد رکعات کی تعیین میں غلطی بھی ہوجائے تو کوئی مضائقہ نہیں نیت میں اعتبار اصلاً ارادہ قلبی کا ہے زبان کی مساعدت بہتر ضرور ہے لیکن اگر کسی امر عارض کی وجہ سے حضوریٔ قلب حاصل نہ ہو تو صرف زبان سے نیت کافی ہے۔

"ویستقبل القبلة إلا أن یکون خائفاً فیصلی إلی أی جهة قدر، فإن اشتبهت علیه القبلة ولیس بحضرته من یسأله عنها اجتهد وصلی فإن علم أنه أخطأ بعد ما صلی فلا إعادة علیه وإن علم ذلک وهو فی الصلاة استدار إلی القبلة وبنی علیها"۔

نماز کی پانچویں شرط:

شرائط خمسہ میں سے پانچویں شرط استقبال قبلہ ہے مکی کے لئے عین قبلہ کا استقبال ضروری ہے اور غیر مکی کے لئے جہت قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے چونکہ ان کے لئے عین قبلہ کا استقبال ممکن نہیں یہ حکم عام ہے تمام نمازوں کے لئے لہذا اگر کسی شخص نے جان بوجھ کر بلا عذر غیر قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز ادا کیا تو وہ کافر ہوجائے گا (جوہرہ) الا یہ کہ استقبال قبلہ ممکن نہ ہو دشمن یا درندہ کے خوف سے یا کشتی میں نماز ادا کر رہا ہو اور قبلہ کی طرف گھومنے میں کشتی کے ڈوبنے کا اندیشہ ہو یا مریض ہو اور اس کو قبلہ کی طرف گھمانے والا کوئی نہ ہو اور خود استقبال قبلہ پر قادر نہ ہو یا قبلہ کی طرف رخ کرنے میں ضرر شدید ہو تب ایسا شخص جس جہت پر قادر ہو اسی کی طرف

رخ کر کے نماز ادا کرلے نماز ہو جائے گی۔ اگر نمازی ایسی جگہ ہو کہ قبلہ مشتبہ ہو گیا ہو اور وہاں کوئی ایسا شخص نہ ہو جس سے قبلہ معلوم کیا جاسکے تب ایسا شخص اجتہاد کرے اور اجتہاد و تحری کے بعد جس جہت کے بارے میں قبلہ کا ظن غالب ہو اس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرلے نماز ہو جائے گی۔

اجتہاد کہتے ہیں "بذل المجھو دلحصول المقصود" مقصود تک رسائی کے لئے اپنی تمام تر کوششوں کو بروئے کار لانا۔ فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق اگر کوئی شخص موجود ہو تو اس سے قبلہ دریافت کرنا اور اس پر اعتماد کرنا ضروری ہے اگر چہ نمازی کی رائے کے خلاف ہو بشرطیکہ مخبر اسی جگہ کا رہنے والا ہو۔ اور مقبول الشہادۃ ہو اور اگر کوئی شخص موجود نہ ہو تو اس کی جستجو نمازی کے ذمہ لازم نہیں اور اگر موجود شخص یا جماعت سے نمازی نے قبلہ دریافت کیا اور ان لوگوں نے آگاہی قبلہ سے انکار کر دیا تب نمازی نے تحری کے بعد نماز ادا کرلی اس کے بعد لوگوں نے بتلایا کہ قبلہ دوسری طرف ہے تو نماز کا اعادہ نہیں ہے بلکہ نماز درست ہوگئی اگر تحری کے بعد پڑھی ہوئی نماز کے بارے میں کسی نے بتلایا کہ غیر قبلہ کی طرف یہ نماز پڑھی گئی ہے یا اجتہاد میں تبدیلی آگئی تو اس نماز کا اعادہ نہیں ہے اور اگر اثناء صلاۃ رائے تبدیل ہوگئی یا کسی مخبر نے بتلا دیا تو نماز ہی کی حالت میں قبلہ کی طرف گھوم جائے اور نماز مکمل کرلے۔

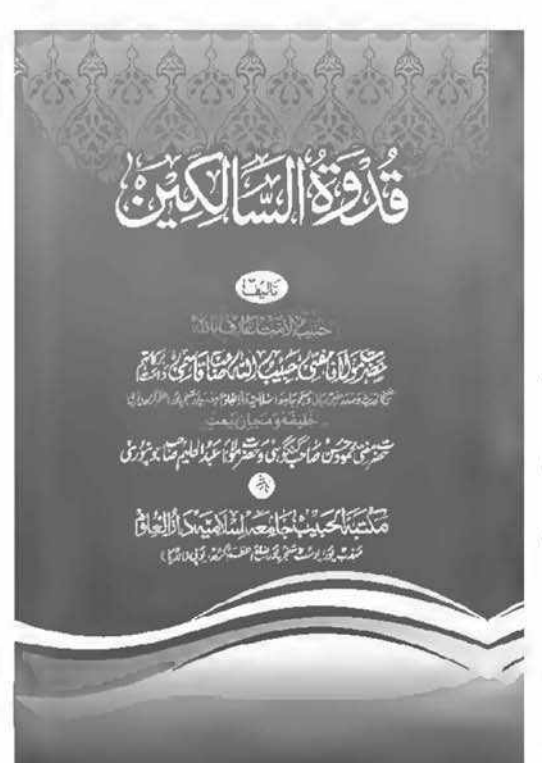
اگر رات کی شدید تاریکی میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کی گئی اس طور پر کہ تحری کے بعد قبلہ کا تعین کرلیا گیا لیکن امام کی جہت کا تعین نہیں ہو سکا ہر ایک نے اپنے

اعتبار سے امام کے رخ کا تعین تحری کے ذریعہ کیا لیکن امام کے رخ کو کوئی نہیں پا سکا البتہ امام سے تقدم نہیں ہوا سب امام کے پیچھے ہی رہے تو سب کی نماز ہو گئی چونکہ ہر ایک کی توجہ بذریعہ تحری جہت تحری کی طرف تھی البتہ کسی کو امام کا رخ معلوم ہو گیا ہو پھر بھی اس کی اتباع نہیں کی یا امام سے تقدم ہو گیا تب نماز فاسد ہو جائے گی۔

☆☆☆

قدوۃ السالکین

حضرات اکابرین کا معمول رہا ہے کہ جو حضرات ان سے بیعت ہو کر داخلِ سلسلہ ہوتے تھے ان کو زبانی معمولات کے ساتھ تحریری معمولات پر مشتمل کتاب ان کے سپرد کی جاتی اور ان کو یہ ہدایت کی جاتی کہ اس کتاب میں مذکور معمولات کی پابندی کریں، کیونکہ معمولات کی پابندی ہی باطنی ارتقاء کا ذریعہ ہے۔



چنانچہ اس خادم سے بھی جو حضرات بیعت ہوتے رہے اس کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ان کے معمولات تحریری شکل میں ان کو دیئے جائیں، چنانچہ معمولات کے ساتھ شجرۂ حبیبیہ چشتیہ اور دوسری اہم چیزوں پر مشتمل جو کتاب اس خادم نے مرتب کی، اس کا نام ''قدوۃ السالکین'' رکھا۔

باب صفة الصلوة

نماز کا طریقہ

"فرائض الصلوة ستة التحريمة والقيام والقرائة والركوع والسجود والقعدة الأخيرة مقدار التشهد وما زاد على ذلك فهو سنة"۔

شرائط صلاۃ کے بیان کے بعد اب حضرت مصنفؒ مشروط کا تذکرہ فرمارہے ہیں نفس نماز کے فرائض چھ ہیں۔

نماز کے فرائض کا بیان:

۱-تکبیر تحریمہ کھڑے ہوکر حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے:**"مفتاح الصلوة الطهور وتحريمها التكبير"۔**

حضرت امام محمدؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ فرض ہے اور حضرات شیخینؒ اس کو شرط قرار دیتے ہیں، تکبیر تحریمہ کے بعد چونکہ وہ ساری مباح چیزیں حرام ہوجاتی ہیں جن کی اجازت اس سے پہلے تھی اسی وجہ سے اس کو تکبیر تحریمہ کہتے ہیں۔

۲-نماز کے فرائض میں دوسرا فرض قیام یعنی کھڑا ہونا ہے اس طور پر کہ اگر

اپنے دونوں ہاتھوں کو دراز کرے تو اپنے گھٹنے کو نہ پائے لیکن قیام فرض اس شخص کے لئے ہے جو اس پر قادر ہو اگر معذور ہو تو بیٹھ کر وہ نماز ادا کرسکتا ہے۔

۳-قراءت: نماز کے فرائض میں تیسرا فرض قرآن کریم کا پڑھنا ہے پورے قرآن پاک میں سے ما تجوز بہ الصلاۃ کے بقدر قراءت فرض ہے لقولہ تعالی فاقرؤا ماتیسر من القرآن، لیکن یہ فرضیت اسی شخص کے لئے ہے جو اس پر قادر ہو۔

۴-رکوع، نماز کے فرائض میں چوتھا فرض رکوع یعنی جھکنا ہے اس طور پر کہ اگر وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو دراز کرے تو بآسانی اپنے دونوں گھٹنوں کو پالے۔

۵-سجدہ، نماز کے فرائض میں پانچواں فرض سجدہ ہے یعنی پیشانی، ناک اور دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے دونوں پاؤں زمین پر رکھنا لیکن اگر کوئی شخص صرف پیشانی ایک ہاتھ ایک گھٹنہ اور پاؤں کی چند انگلیاں زمین پر رکھ دے تب بھی فرضیت ساقط ہوجائے گی اگرچہ کامل سجدہ اس کو نہیں کہا جائے گا جیسا کہ ابن ہمام صاحب فتح القدیر وغیرہ نے ذکر فرمایا ہے۔

۶-قعدۂ اخیرہ بقدر تشہد۔نماز کے فرائض میں چھٹا فرض قعدہ اخیرہ ہے بقدر تشہد اگر نمازی نماز کے اختتام پر بیٹھ جائے فرضیت ذمہ سے ساقط ہوجاتی ہے حتی کہ اگر کسی مقتدی نے بقدر تشہد قعدہ کے بعد امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اپنے کو نماز سے فارغ کرلیا یا منافی صلاۃ کوئی عمل جان بوجھ کرلیا تو اس کی نماز مکمل ہوجائے گی (جوہرہ)۔

ان فرائض کے علاوہ باقی جو اعمال نماز میں ہیں حضرت مصنفؒ کے بیان

کے مطابق وہ سب سنت ہیں لیکن بقول صاحب ہدایہ اس سنت میں بہت سے واجبات بھی داخل ہیں مثلاً سورہ فاتحہ کی قراءت، سورہ فاتحہ کے ساتھ سورہ کوملانا، مکرر افعال میں ترتیب کی رعایت، قعدہ اولی، قعدہ اخیرہ میں تشہد کا پڑھنا، نماز وتر میں دعائے قنوت، عیدین میں تکبیرات زوائد، سری نمازوں میں قراءت کا سراً کرنا، جہری نمازوں میں قراءت کا جہراً کرنا، یہ واجبات نماز میں سے ہیں جن کے ترک پر سجدہ سہو واجب ہے چونکہ ان کا وجوب احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔

"فإذا دخل الرجل فی الصلاة کبر ورفع یدیه مع التکبیر حتی یحاذی بإبهامیه شحمة أذنیه فإن قال بدلاً من التکبیر الله اجل أو أعظم أو الرحمن أکبر أجزأه عند أبی حنیفة ومحمد وقال أبویوسف لا یجزئه إلا بلفظ التکبیر"۔

مکمل نماز کا طریقہ:

اب مصنفؒ نماز کا مکمل طریقہ از اول تا آخر بیان فرمارہے ہیں لہذا جب کوئی شخص نماز پڑھنا چاہے تو سب سے پہلے وہ تکبیر یعنی اللہ اکبر کہے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو تکبیر کے ساتھ اٹھائے یہاں تک کہ دونوں کان کی لو یعنی نرم حصہ کے برابر کرلے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو قبلہ رخ رکھے بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو رخسار کے برابر اٹھائے لیکن عامۃ فقہاء کان کی لو تک اٹھانے کے قائل ہیں

صاحب ہدایہ کی تصریح کے مطابق اصح یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھوں کونمازی اٹھائے اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہے علامہ زاہدی نے اسی کو عام مشائخ کا معمول بہا قرار دیا ہے۔نماز شروع کرتے وقت تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنے کو حضرات فقہاء واجب قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایسے شخص کے لئے جو اللہ اکبر کو ادا کرنے پر قادر ہو دوسرے الفاظ کے ذریعہ شروع فی الصلوۃ درست ہی نہیں البتہ ان کے یہاں تعمیم ضرور ہے کہ اکبر کے ساتھ کبیر اور اس کا معرف ومنکر استعمال بھی درست ہے یعنی اللہ اکبر، اللہ الا کبر، اللہ کبیر، اللہ الکبیر، وغیرہ لیکن حضرات طرفین یعنی حضرت امام ابوحنیفہ ومحمد کے نزدیک اللہ اکبر ہی کے ذریعہ نماز کی شروعات ضروری نہیں بلکہ ہر اس لفظ کے ذریعہ آغاز نماز درست ہے جو اللہ پاک کی عظمت وکبریائی پر دال ہو اور اس کی ذات مقدسہ کے ساتھ خاص ہو لہذا اللہ اکبر کی جگہ پر اللہ اجل یا اللہ اعظم یا الرحمٰن اکبر یا الرحمٰن اجل یا لا إلہ إلا اللہ وغیرہ الفاظ کے ذریعہ نماز شروع کیا تب بھی جائز ہے اگر چہ ان حضرات کے نزدیک بھی ایسے شخص کے لئے جو اللہ اکبر کی ادائیگی پر قادر ہو ان الفاظ کا کہنا مکروہ تحریمی ہے۔

علامہ اسبیجابیؒ کی تصریح کے مطابق حضرات طرفین کا قول مفتی بہ ہے اور علامہ زاہدیؒ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ برہانی وعلامہ نسفی نے اسی کو معتمد فرمایا ہے۔

"ویعتمد بیدہ الیمنی علی الیسری ویضعھما تحت سرتہ ثم یقول سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک

ولا إله غيرک ويستعيذ بالله من الشيطان الرجيم ويقرأ بسم الله الرحمن الرحيم ويسر بهما ثم يقرأ فاتحة الكتاب وسورة معها أو ثلث آيات من أى سورة شاء وإذا قال الإمام ولا الضالين قال آمين ويقولها المؤتم ويخفونها"۔

تکبیر تحریمہ کے بعد کے اعمال:

تکبیر تحریمہ کے بعد دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر اس طور پر رکھے کہ دائیں ہاتھ کے خنصر اور ابہام کے ذریعہ بائیں ہاتھ کے گٹے کو پکڑ لے اور دائیں ہاتھ کی باقی تین انگلیاں یعنی بنصر وسطی سبابہ ان تینوں کو کشادہ کر کے بائیں ہاتھ کی کلائی پر پھیلا دے اور دونوں کو ناف کے نیچے رکھ لے لیکن یہ ذہن میں رہے کہ تکبیر تحریمہ کے ختم ہوتے ہی دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھ لیا جائے اس میں تاخیر نہ کی جائے لیکن یہ طریقہ مردوں کے لئے ہے عورتیں دائیں ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی کے اوپر رکھ کر پستان کے نیچے دونوں ہاتھوں کو رکھ لیں۔

ہاتھ باندھنے اور نہ باندھنے کے بارہ میں ایک فقہی ضابطہ:

حضرات فقہاء کی تصریح کے مطابق اعتماد یعنی دونوں ہاتھوں کو باندھنا قیام کی سنت ہے لیکن ہر حال میں نہیں، اس میں ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ قیام جس میں ذکر مسنون ہو اس میں ہاتھ باندھا جائے اور جس میں ذکر مسنون نہ ہو اس میں ارسال

یعنی دونوں ہاتھوں کو چھوڑ دیا جائے، لہذا نماز جنازہ میں ثناء پڑھتے وقت دعائے قنوت پڑھنے کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو باندھ لیا جائے اور عیدین کی تکبیرات زوائد میں اور قومہ کی حالت میں ہاتھ چھوڑ دیا جائے چونکہ ان میں ذکر مسنون نہیں ہے۔ دونوں ہاتھوں کو باندھنے کے بعد ثناء پڑھے جس کے الفاظ یہ ہیں: "**سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا إله غیرک**" اور جب ثناء سے فارغ ہوجائے تو تعوذ یعنی أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے لیکن بقول صاحب ہدایہ أستعیذ باللہ اولی ہے یہاں پر یہ بات یادرکھنے کی ہے کہ تعوذ قرأت کے تابع ہے ثناء کے نہیں۔

تعوذ قراءت کے تابع ہے ثناء کے نہیں:

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تعوذ قراءت کے تابع ہے ثناء کے نہیں، لہٰذا امام، مسبوق، منفرد کے لئے تو تعوذ ہے مقتدی کے لئے نہیں چونکہ اس کے ذمہ قراءت نہیں، تعوذ سے فارغ ہونے کے بعد تسمیہ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے لیکن تعوذ تسمیہ حضرات حنفیہ کے نزدیک ہر حال میں سراً ہے جہراً نہیں خواہ نماز سری ہو یا جہری، تعوذ وتسمیہ سے فارغ ہوتے ہی سورہ فاتحہ کی قراءت شروع کردے سورہ فاتحہ کا پڑھنا امام، منفرد مسبوق کے لئے واجب ہے مقتدی کے لئے نہیں سورہ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہونے کے بعد کوئی سورت یا کسی سورت کی تین آیت پڑھ لے سورہ فاتحہ

کے ساتھ سورۃ کاملانا بھی واجب ہے اور جب امام ولا الضالین کہے تو اس کے بعد امام اور مقتدی سراً آمین کہیں آمین خواہ بالمد ہو یا بالقصر بہرصورت درست ہے۔

"ثم يكبر ويركع ويعتمد بيديه على ركبتيه ويفرج أصابعه ويبسط ظهره ولا يرفع رأسه ولا ينكسه ويقول في ركوعه سبحان ربي العظيم ثلاثاً وذلك أدناه ثم يرفع رأسه ويقول سمع الله لمن حمده ويقول المؤتم ربنا لك الحمد فإذا استوى قائماً كبر وسجد واعتمد بيديه على الأرض ووضع وجهه بين كفيه وسجد على أنفه وجبهته فإن اقتصر على أحدهما جاز عند أبي حنيفة وقال أبو يوسف ومحمد لا يجوز الاقتصار على الأنف إلا من عذر"۔

رکوع اور سجدہ کا طریقہ:

نمازی قراءت سے فارغ ہونے کے بعد تکبیر کہتا ہوا رکوع میں چلا جائے اور رکوع میں پہنچ کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑ لے اور اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو کشادہ کرلے تا کہ گھٹنے کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے میں مدد ملے اور اپنی کمر کو بچھادے اور سر کو سرین کے برابر کرلے نہ کمر سے اونچا کرے اور نہ اس سے پست اور رکوع کی حالت میں تین مرتبہ کم از کم سبحان ربی العظیم پڑھے یہ سنت کی ادنی مقدار ہے اوسط پانچ مرتبہ اور سات مرتبہ کو فقہاء نے اکمل قرار دیا ہے اس

کے بعد اپنے سر کو اٹھائے اور سر اٹھاتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہے حضرت امام ابوحنیفہؒ
کے نزدیک امام کے لئے صرف تسمیع ہے لیکن حضرات صاحبین تسمیع کے ساتھ سراً تحمید
کے بھی قائل ہیں اور یہ ہی امام صاحب کی بھی ایک روایت ہے امام طحاویؒ کا میلان
بھی صاحبین کے ہی قول کی طرف ہے فقہاء متاخرین میں سے ایک جماعت کا رجحان
اسی کی طرف ہے لیکن اصحاب متون کی رائے اس کے خلاف ہے البتہ مقتدی کے لئے
صرف تحمید ہے جس کے افضل کلمات یہ ہیں اللھم ربنا ولک الحمد گو اس کے علاوہ الفاظ
بھی تحمید کے ثابت ہیں جیسے ربنا لک الحمد، ربنا ولک الحمد وغیرہ پھر جب سیدھا کھڑا
ہو جائے تو تکبیر کہتا ہوا سجدہ میں جائے اس طور پر کہ پہلے دونوں گھٹنوں کو زمین پر رکھے
اس میں بھی پہلے دائیں گھٹنے کو پھر بائیں کو اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو رکھے اس طور
پر کہ پہلے دائیں ہاتھ کو پھر بائیں کو پھر ناک کو اس کے بعد پیشانی کو اور چہرہ دونوں
ہتھیلیوں کے درمیان رکھے اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھے سجدہ کے لئے
پیشانی کے ساتھ ناک کو بھی رکھنا واجب ہے لیکن اگر دونوں میں سے صرف کسی ایک کو
زمین پر رکھا تو بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے گو کہ صاحب فتح القدیر اور
صاحب بدائع علامہ کاسانی کی تصریح کے مطابق صرف ناک کا رکھنا مکروہ ہے اور اگر
صرف پیشانی رکھی گئی تب بھی کوئی کراہت نہیں، لیکن حضرت امام ابویوسفؒ کے
نزدیک سجدہ کی حالت میں زمین پر بغیر عذر کے صرف ناک رکھنا جائز نہیں اور اس سے
سجدہ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ صاحب جوہرہ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت

اسی کوقرار دیا ہے، اور یہی مفتی بہ ہے چنانچہ وعلیہ الفتوی کی تصریح کی ہے۔ علامہ محبوبیؒ اور صدر الشریعہ نے اسی پر اعتماد کا اظہار کیا ہے۔

"وإن سجد على كور عمامته أو على فاضل ثوبه جاز ويبدى ضبعيه ويجافى بطنه عن فخذيه ويوجه أصابع رجليه نحو القبلة ويقول في سجوده سبحان ربى الأعلى ثلاثاً وذلك أدناه ثم يرفع رأسه ويكبر وإذا اطمأن جالساً كبر وسجد فإذا اطمأن ساجدا كبر واستوى قائماً على صدور قدميه ولا يقعد ولا يعتمد بيديه على الأرض"۔

سجدہ کا طریقہ:

اگر کسی شخص نے پگڑی کے کنارے والے حصہ پر یا بدن پر موجود زائد کپڑے کے کسی کونہ پر سجدہ کرلیا تو جائز ہے سجدہ کی ادائیگی ہوجائے گی لیکن بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ سجدہ کی حالت میں اپنی کلائی کو ظاہر کرے اس طور پر کہ اس کو نہ زمین پر رکھے اور نہ ران پر لیکن صفوف میں دائیں بائیں نمازیوں کی رعایت رکھتے ہوئے اپنی کلائی کو ظاہر کرے۔ بھیڑ بھاڑ میں دائیں بائیں نمازیوں کی رعایت بھی ضروری ہے اور اپنے پیٹ کو ران سے جدا رکھے اور پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھے لیکن عورت کے لئے حکم یہ ہے کہ اپنی کلائی کو بدن سے چپکا لے اور پیٹ کو ران سے چپکا لے، اور زمین سے چپک کر سجدہ کرے چونکہ اس میں عورتوں کے لئے پردہ زیادہ

ہےاور سجدہ کی حالت میں کم از کم تین مرتبہ اور زیادہ سے زیادہ سات مرتبہ سبحان ربی الاعلی کہے اس کے بعد تکبیر کہتا ہوا اپنا سر اٹھالے اور اچھی طرح بیٹھ جائے جس طرح تشہد کی حالت میں بیٹھا جاتا ہے اگر مکمل جلوس کے بغیر دوسرے سجدہ کے لئے کوئی شخص چلا جائے تو بھی سجدہ ہوجائے گا لیکن طمانینت کے ساتھ بیٹھنا مطلوب ہے اور اگر پہلے سجدہ سے اٹھنے کے بعد دوسرے سجدہ میں چلا جائے اس طور پر کہ سجدہ کی حالت کے وہ زیادہ قریب ہوتو دوسرا سجدہ اصح قول کے مطابق درست نہ ہوگا اور اگر وہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہواور پھر دوسرے سجدہ میں چلا جائے تو دوسرا سجدہ صحیح اور معتبر ہوگا لیکن یہ سب اعتبار اور جواز کی شکلیں ہیں اصل طریقہ یہ ہے کہ پوری طمانینت کے ساتھ بیٹھ کر دوسرے سجدہ میں پہلے سجدہ کی طرح تکبیر کہتا ہوا جائے اور پہلے سجدہ کی طرح تسبیح کی تعداد پوری کرکے تکبیر کہتا ہوا اپنے پاؤں کے بل بغیر بیٹھے ہوئے سیدھا کھڑا ہوجائے۔ کھڑا ہوتے وقت زمین کا سہارا نہ لے غیر معذور کے لئے دوسرے سجدہ سے فارغ ہونے کے بعد استراحت کے لئے بیٹھنا اور کھڑا ہونے کے لئے زمین کا سہارا لینا مکروہ تنزیہی ہے البتہ معذور کے لئے کوئی کراہت نہیں نیز سجدہ سے اٹھتے وقت زمین سے پہلے پیشانی کو اٹھائے پھر ناک کو پھر دونوں ہاتھوں کو اس طور پر کہ پہلے بائیں ہاتھ کو پھر دائیں کو پھر ان دونوں ہاتھوں کو گھٹنے پر رکھ کر دونوں گھٹنوں کو اٹھائے اس طور پر کہ پہلے بائیں گھٹنے کو پھر دائیں کو اور پاؤں کی انگلیوں کو اپنی حالت پر قبلہ رخ رکھے۔

"ويفعل في الركعة الثانية مثل ما فعل في الأولى إلا أنه لا يستفتح ولا يتعوذ ولا يرفع يديه إلا في التكبيرة الأولى فإذا رفع رأسه من السجدة الثانية في الركعة الثانية افترش رجله اليسرى فجلس عليها ونصب اليمنى نصباً ووجه أصابعه نحو القبلة ووضع يديه على فخذيه ويبسط أصابعه ثم يتشهد"۔

دوسری رکعت کی ادائیگی کا طریقہ:

آپ نے ایک رکعت مکمل کرلی تکبیر تحریمہ سے لے کر دوسرے سجدہ تک کی مکمل تفصیلات آچکی ہیں اب آپ دوسری رکعت اسی طرح سے ادا کریں جس طرح سے پہلی رکعت آپ نے ادا کی ہے البتہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جو پہلی رکعت میں تھیں لیکن دوسری رکعت میں نہیں ہیں مثلاً ثناء، تعوذ، رفع یدین، دوسری رکعت میں آپ کو ثنا نہیں پڑھنا ہے اور نہ تعوذ پڑھنا ہے چونکہ یہ دونوں صرف ایک مرتبہ مشروع ہیں اسی طرح رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہے جب آپ دوسری رکعت سے فارغ ہوجائیں تو دائیں پاؤں کو کھڑا کرلیں اور دائیں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کرلیں اور بائیں پاؤں کو بچھالیں بایں طور کہ بایاں پاؤں سرین کے نیچے رکھ لیں اور اس کی انگلیوں کو بھی کوشش کرکے قبلہ رخ کرلیں اور اس پر بیٹھ جائیں تشہد کی حالت کی یہ بیٹھک ہے اس بیٹھک میں انگلیوں کو قبلہ رخ کرنا مستحب ہے لیکن اگر کوئی شخص

معذور ہو تو کوئی مضائقہ نہیں یہ مردوں کا طریقہ ہے عورتیں بائیں پاؤں کو دائیں پاؤں کے نیچے سے نکال کر دونوں کو ایک ہی رخ پر ڈال دیں اور بائیں سرین پر وہ بیٹھ جائیں اور اپنے کو قدرے سمیٹ لیں چونکہ اس میں ان کے لئے زیادہ پردہ ہے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں ران پر رکھ لیں، مرد ہاتھ کی انگلیوں کو قدرے کشادہ رکھیں ہاتھ کو ران پر اس طور پر رکھیں کہ ہاتھ کی انگلیوں کا آخری کنارہ گھٹنے تک پہنچ جائے اس کے بعد تشہد پڑھیں جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

"والتشهد أن يقول التحيات لله والصلاة والطيبات السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله ولا يزيد على هذا في القعدة الأولى"۔

قعدہ اولیٰ میں صرف تشہد پڑھے:

قعدہ اولیٰ میں جان بوجھ کر ان کلمات پر اضافہ کرنا مکروہ ہے اور اگر سہواً اضافہ ہو جائے تو سجدہ سہو کرنا ہوگا اور اضافہ کی مقدار مفتی بہ قول کے مطابق اللھم صل علی محمد ہے لہٰذا اگر کسی شخص نے درود کے اتنے کلمات پڑھ لئے تو سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔

"ويقرأ في الركعتين الأخريين بفاتحة الكتاب خاصة فإذا

جلس فی آخر الصلاۃ جلس کما جلس فی الأولی وتشھد وصلی علی النبیﷺ ودعا بما شاء مما یشبه ألفاظ القرآن والأدعیة المأثورة ولا یدعو بما یشبه کلام الناس ثم یسلم عن یمینه ویقول السلام علیکم ورحمة الله ویسلم عن یساره مثل ذلک"۔

رباعی نماز کی آخری دورکعت کی ادائیگی کا طریقہ:

رباعی یعنی چار رکعت والی نماز کی آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھے لیکن سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری نہیں بلکہ افضل ہے لہٰذا اگر کوئی شخص بجائے سورہ فاتحہ کے تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ دے یا تین تسبیح کے بقدر خاموش کھڑا رہے اس کے بعد رکوع کرلے تو بھی صحیح ہے، نماز بلاکراہت درست ہوجائے گی، دورکعت پوری کرنے کے بعد جس طرح سے قعدہ اولی میں مفترشاً بیٹھے تھے اسی طرح بیٹھیں اور اس کا نام اصطلاح فقہاء میں قعدہ اخیرہ ہے جس میں نمازی کو تشہد کے ساتھ درود بھی پڑھنا ہے کوئی بھی درود پڑھا جاسکتا ہے لیکن متوارث درود ابراہیمی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی إبراھیم وعلی آل إبراھیم إنک حمید مجید، اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی إبراھیم وعلی آل إبراھیم إنک حمید مجید"۔

صاحب مبسوط نے مسبوق کے لئے بھی درود پاک کے پڑھنے کی تصریح کی ہے لیکن قاضی خاں کے نزدیک راجح یہ ہے کہ مسبوق کا چونکہ یہ قعدۂ اخیرہ نہیں ہے اس لئے وہ تشہد ہی کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھے تا آنکہ امام سلام پھیر دے۔

ابن نجیم صاحب بحرالرائق فرماتے ہیں: وینبغی الإفتاء بہ، یعنی اسی پر فتوی دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، درود پاک کے بعد دعا ماثورہ میں سے کوئی بھی دعا پڑھ لے یا جو الفاظ قرآن کے مشابہ ہو لفظاً ومعنیً وہ دعا پڑھ لے، مثلاً **ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار**، یا **اللهم إنی أعوذبک من عذاب جهنم ومن عذاب القبر ومن فتنة المحییٰ والممات ومن فتنة المسیح الدجال**۔ مسلم شریف میں یہ دعا مروی ہے: **اللهم إنی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً ولا یغفر الذنوب إلا أنت فاغفر لی مغفرة من عندک وارحمنی إنک أنت الغفور الرحیم**۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اللہ کے نبی ﷺ سے اس کی درخواست کی کہ کوئی ایسی دعا تلقین فرما دیں جس کو وہ اپنی نماز میں پڑھا کریں تو اللہ کے رسول ﷺ نے مذکورہ بالا دعا کی تلقین فرمائی ادعیہ ماثورہ میں اس دعا کو فضیلت حاصل ہے چونکہ کبار فقہاء حنفیہ کے یہاں یہی معمول بہا ہے گوکہ دوسری دعاؤں کے پڑھنے کی اجازت ہے، لیکن ایسی دعا نہ ہو جو لوگوں کے کلام کے مشابہ ہو ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس میں حضرات فقہاء کا اختلاف ہے کہ کون سی دعا مشابہ الفاظ قرآن ہے اور کون سی دعا

کلام الناس کے مشابہ ہے۔

لوگوں کے کلام کے مشابہ الفاظ دعاء کا ضابطہ:

علامہ ابراہیم حلبی کی تصریح کے مطابق اس باب میں فیصلہ کن قول مختار یہ ہے کہ دعا کے جو الفاظ قرآن اور حدیث پاک میں ہیں وہ مطلقاً مفسد صلاۃ نہیں اور اس کو لوگوں کے کلام کے مشابہ نہیں کہا جائے گا اور جو قرآن اور حدیث میں نہیں اس میں پھر یہ دیکھا جائے گا کہ جو چیز اس دعا میں مانگی گئی ہے اس کا دینا بندہ کے لئے محال ہے یا نہیں اگر بندہ کے لئے اس کا دینا محال ہو تب بھی نماز فاسد نہ ہوگی ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی اور اس کو لوگوں کے کلام کے مشابہ قرار دیا جائے گا۔ دعا ماثورہ سے فارغ ہونے کے بعد ان الفاظ کے ساتھ دائیں طرف سلام پھیرے۔

سلام کا طریقہ:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، وبرکاتہ کا اضافہ غیر متوارث ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے بلکہ علامہ حدادیؒ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے ان الفاظ کے ساتھ دائیں طرف چہرہ اتنا گھمائے کہ اس کے دائیں رخسار کی سفیدی مقتدیوں کو دکھائی دے اور اس سلام میں دائیں طرف والے مقتدی اور حفظہ کی نیت کرے اس کے بعد انہیں الفاظ کے ساتھ بائیں طرف سلام پھیرے کہ بائیں رخسار کی سفیدی مقتدیوں کو نظر آجائے دائیں طرف کے سلام کو قدرے بلند آواز سے اور بائیں طرف کے سلام کو قدرے

پست آواز سے ادا کرنا مسنون ہے۔

مقتدی کب سلام پھیرے؟

حضرات فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ سلام پھیرے یا اس کے بعد چنانچہ حضرت امام ابو یوسف ومحمد علیہما الرحمۃ کی رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدی سلام پھیرے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کی اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔

فقیہ ابو جعفر فرماتے ہیں مختار یہ ہے کہ مقتدی امام کے سلام کا انتظار کرے جب امام دائیں طرف سلام پھیر کر فارغ ہو جائے تب مقتدی دائیں طرف سلام پھیرے اور جب بائیں طرف امام سلام پھیر کر فارغ ہو جائے تب مقتدی بائیں طرف سلام پھیرے۔

"ویجهر بالقرائة فی الفجر وفی الركعتين الأولیین من المغرب والعشاء إن كان إماماً ويخفی القراء ة فيما بعد الأولیین وإن كان منفرداً فهو مخير إن شاء جهر وأسمع نفسه وإن شاء خافت ويخفی الإمام القراء ة فی الظهر والعصر"۔

کن نمازوں میں قرأت جہراً ہے اور کن نمازوں میں سراً؟

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں فجر کی دونوں رکعتوں میں اور

مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں امام کے لئے زور سے قراءت کرنا کہ آواز سارے مقتدیوں تک پہنچ جائے واجب ہے، خواہ یہ نمازیں اداءً پڑھی جائیں یا قضاءً، نیز یہی حکم جمعہ، عیدین، تراویح، اور رمضان کے وتر کا بھی ہے اور مغرب وعشاء کی آخری رکعتوں میں قراءت سراً کرنا متوارث ہے البتہ منفرد کو اختیار ہے خواہ وہ سراً قراءت کرے یا جہراً۔ خواہ نماز سری ہو یا جہری، گو جہری نمازوں میں منفرد کے لئے بھی جہر افضل ہے تاکہ انفرادی طور پر ادا کی جانے والی نماز جماعت والی نماز کی ہیئت کے برابر ہو جائے۔ لیکن ظہر وعصر کی چاروں رکعتوں میں امام کے لئے سراً قراءت کرنا واجب ہے چونکہ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے: صلاۃ النہار عجماء یعنی دن کی نمازوں میں قراءت مسموعہ نہیں ہے لہٰذا اگر جہری نماز میں امام نے سہواً سراً قراءت کر لی اور سری نماز میں جہراً قراءت کی خواہ مقدار مقروء کم ہو یا زیادہ بہر صورت سجدہ سہو واجب ہوگا (کذا فی مجمع الانہر)۔

"والوتر ثلاث ركعات لا يفصل بينهن بسلام ويقنت فى الثالثة قبل الركوع فى جميع السنة ويقرأ فى كل ركعة من الوتر فاتحة الكتاب وسورة معها فإذا أراد أن يقنت كبر ورفع يديه ثم قنت ولا يقنت فى صلاة غيرها"۔

نماز وتر کی شرعی حیثیت اور طریقہ:

نماز وتر کی شرعی حیثیت کے سلسلہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مختلف اقوال

ہیں ایک قول یہ ہے کہ نماز وتر فرض ہے چنانچہ اسی کے قائل امام زفر علیہ الرحمہ ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ واجب ہے حضرت امام صاحب کے اقوال مختلفہ میں آخری قول یہی ہے اور اسی کو فقہاء نے ظاہر مذہب قرار دیا ہے۔ مشائخ حنفیہ کے نزدیک یہی اصح ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ سنت ہے اسی کے قائل امام ابو یوسف و امام محمد ہیں۔ بعض حضرات نے حضرت امام صاحبؒ کے ان متعارض اقوال کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ یہ عملاً فرض ہے اعتقاداً واجب ہے ثبوت کے اعتبار سے سنت ہے۔

حضرات فقہاء فرائض کے بعد نماز وتر کی عظمت وحرمت کے قائل ضرور ہیں لیکن اس کے منکر کو کافر نہیں قرار دیتے۔

وتر کی ساری رکعتوں میں قراءت واجب ہے اور بلا عذر سواری پر یا بیٹھ کر نماز وتر کا ادا کرنا جائز نہیں۔

وتر کی تین رکعتیں ہیں ایک سلام کے ساتھ یعنی دو رکعت پر صرف قعدہ ہے سلام نہیں جس طرح مغرب کی نماز کی تین رکعتیں ہیں ایک سلام کے ساتھ، وتر کی تین رکعتوں میں سے تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے پورے سال اداءً ہو یا قضاءً دعاء قنوت پڑھنا ضروری ہے اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملانا واجب ہے دعاء قنوت سے پہلے تکبیر کہتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک لے جائے اس کے بعد باندھ لے پھر دعا قنوت پڑھے۔

دعاءقنوت:

دعاءقنوت کے وہ الفاظ جومشہور ہیں یعنی"**اللھم إنا نستعینک ونستغفرک ونؤمن بک ونتوکل علیک ونثنی علیک الخیر ونشکرک ولانکفرک ونخلع ونترک من یفجرک اللھم إیاک نعبد ولک نصلی ونسجد وإلیک نسعی ونحفد ونرجو رحمتک ونخشی عذابک إن عذابک بالکفار ملحق**"۔اسی کاپڑھنامسنون ہے۔

دعاءقنوت کے ساتھ درود پڑھنے کاحکم:

اس میں حضرات فقہاء کا اختلاف ہے کہ دعاءقنوت کے ساتھ درود بھی پڑھنا چاہئے یانہیں؟ بعض حضرات درود پڑھنے کے بھی قائل ہیں اور بعض نہیں لیکن علامہ میدانی نے وبالأ ول یفتی کہہ کراسی قول کومفتی بہ قرار دیا ہے جس میں درود پاک کے پڑھنے کی بات کہی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نماز وتر میں دعاقنوت کے ساتھ درود بھی پڑھناچاہئے۔

جس کودعاءقنوت یادنہ ہووہ کیاکرے؟

اس میں بھی حضرات فقہاء کا اختلاف ہے کہ ایساشخص جوعربی پڑھنے پرقادر نہ ہویادعاءقنوت اس کویادنہ ہووہ صرف یاربی یااللھم **اغفر لی** تین مرتبہ یاربنا

آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة پڑھ سکتا ہے یا نہیں، گنجائش ان سب کی ہے لیکن صاحب درایہ نے آخری دعاء یعنی **ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة** کو افضل قرار دیا ہے۔

دعاء قنوت سراً پڑھے جہراً نہیں:

امام اور مقتدی دونوں کے لئے دعا قنوت سراً ہے جہراً نہیں۔ صاحب ہدایہ نے امام سرخسی کی اتباع میں اسی کو مختار قرار دیا ہے گو جہر و اخفاء کے مسئلے میں ظاہر الروایہ ساکت ہے، نماز وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں فقہاء حنفیہ کے نزدیک دعاء قنوت نہیں ہے البتہ قنوت نازلہ فجر کی نماز میں مخصوص حالات میں پڑھنے کے قائل حضرات احناف ضرور ہیں۔

"ولیس فی شیئ من الصلاة قراء ة سورة بعینها لا یجوز غیرها ویکره أن یتخذ قرائة سورة بعینها للصلاة لا یقرأ فیها غیرها"۔

نماز میں کسی سورت کو ضروری سمجھنے کا حکم:

نماز میں خواہ سری ہو یا جہری کسی متعین سورت کو بطریق فرضیت اس طور پر پڑھنا گویا کہ اس کے علاوہ کسی دوسری سورت کا پڑھنا جائز ہی نہیں ہے غیر منصوص وغیر ثابت امر ہے سورہ فاتحہ لازمی طور پر ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے لیکن وہ بھی واجب ہے فرض نہیں۔

اسی طرح نمازی کے لئے یہ بھی مکروہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ کسی نماز کے لئے کسی سورت کو اس طور پر متعین کرلے اور اپنا لے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری سورت پڑھے ہی نہیں چونکہ اس میں باقی سورتوں کا ترک اور ایہام تفضیل ہے اس لئے مکروہ ہے۔ مثلاً کوئی شخص ہر جمعہ کی فجر کی نماز میں سورہ سجدہ اور سورہ دہر اس طور پر پڑھے کہ انہیں سورتوں کے پڑھنے کو لازم اور واجب سمجھے اور اس کے علاوہ کسی دوسری سورت کے پڑھنے کو ناجائز سمجھے لیکن اگر دوسری سورت کے پڑھنے کو جائز سمجھتا ہو البتہ ان دونوں سورتوں کو اللہ کے رسول ﷺ کی قراءت سے تبرک حاصل کرنے کے لئے پڑھتا ہو تب مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ کبھی کبھار دوسری سورت بھی پڑھ لے، تاکہ جہلاء یہ نہ سمجھیں کہ ان کے علاوہ کسی دوسری سورت کا پڑھنا جائز نہیں۔

"وأدنى ما يجزء من القراء ة في الصلاة ما يتناوله اسم القرآن عند أبي حنيفة وقال أبو يوسف ومحمد لا يحوز أقل من ثلاث آيات قصار أو آية طويلة"۔

نماز کی صحت کے لئے کتنی قرأت ضروری ہے؟

اور نماز کے صحیح ہونے کے لئے سب سے کم یا کم سے کم مقدار حضرت امام ابوحنیفہ کے یہاں یہ ہے کہ اس پر اسم قرآن کا اطلاق کیا جا سکتا ہو اگرچہ وہ ایک آیت

سے کم ہی کیوں نہ ہو، علامہ علاء الدین کاسانی نے بدائع میں اسی کو راجح قرار دیا ہے لیکن ظاہر الروایت یہ ہے کہ مکمل ایک آیت ضروری ہے خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی، علامہ نسفی، صدر الشریعہ، اور علامہ محبوبی کا مختار قول یہی ہے لیکن حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک نماز کے صحیح ہونے کے لئے کم از کم تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت کی قراءت ضروری ہے بعض حضرات نے قراءت کے مسئلہ میں حضرات صاحبین کے قول کو محتاط قرار دیا ہے (کذا فی الجوہرہ) یوں بھی عبادات میں احتیاطی پہلو کو اختیار کرنا مستحسن ہے۔

"ولایقرأ المؤتم خلف الإمام ومن أراد الدخول فی صلاۃ غیرہ یحتاج إلی نیتین نیۃ الصلاۃ ونیۃ المتابعۃ"۔

مقتدی کے لئے قرأت کا حکم:

اگر کوئی شخص مقتدی بن کر کسی امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا ہو خواہ وہ نماز جہری ہو یا سری مقتدی کو قراءت نہیں کرنا ہے اگر مقتدی نے قراءت کیا تو حضرات حنفیہ کے نزدیک من کان لہ إمام فقرائۃ الإمام لہ قرائۃ کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے اگرچہ اصح قول کے مطابق اس کی نماز ہو جائے گی۔

لیکن حضرت امام محمدؒ سے سری نمازوں میں مقتدی کے لئے قراءت کی گنجائش مروی ہے، لیکن ان کا یہ قول ظاہر الروایہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے حنفیہ

کے نزدیک قابل عمل نہیں ہے بلکہ بعض کبار فقہاء حنفیہ نے حضرت امام محمدؒ کے اس قول کوضعیف قرار دیا ہے۔

اقتداء کی نماز کا طریقہ:

اگر کوئی شخص کسی کی اقتداء میں نماز پڑھنا چاہتا ہوتو اس کی نماز کے صحیح ہونے کے لئے دونیت کی ضرورت پڑے گی (۱) اس نماز کی نیت جس کو وہ ادا کرنے جارہا ہے (۲) امام کی اقتداء کی نیت جس کا طریقہ صاحب محیط نے یہ بیان کیا ہے کہ مقتدی فرض وقت کی نیت کرے اور اس وقتیہ میں امام کی اقتداء کی نیت کرے لہذا اگر کسی شخص نے صرف اقتداء کی نیت کرلی اور اس نماز کی نیت نہیں کی جس کو اس کی اقتداء میں ادا کررہا ہے تو بعض فقہاء کے قول کے مطابق اس کی نماز درست نہیں ہوگی اگرچہ اصح اور مفتی بہ قول کے مطابق نماز درست ہوجائے گی اس کی وجہ بعض حضرات یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس شخص نے اپنے کو امام کے تابع قرار دے دیا اور تبعیت وتابعیت اسی وقت مکمل طور پر متحقق ہوتی ہے جب تابع بھی اسی نماز کو ادا کررہا ہو جس کی نیت امام نے کی ہے لہذا اس بنیاد پر اس شخص کی بھی نماز درست ہوجائے گی جس نے وقتیہ کی تو نیت نہیں کی لیکن امام کی اقتداء کی نیت کی ہے (کذافی الدرایہ)۔

”والجماعة سنة مؤكدة وأولى الناس بالإمامة أعلمهم بالسنة فإن تساووا فاقرئهم فإن تساووا فأورعهم فإن تساووا فأسنهم“۔

جماعت اور امام کا حکم:

مردوں کے لئے فرائض کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے لیکن بعض فقہاء نے واجب کہا ہے اور عام طور پر مشائخ احناف اسی کے قائل ہیں صاحب تحفہ نے اسی پر جزم کیا ہے ابن نجیم صاحب بحر نے اہل مذہب کا یہی راجح قول قرار دیا ہے۔

جماعت کے اطلاق کا حکم:

جماعت کے اطلاق کے لئے امام کے ساتھ کم از کم ایک آدمی کا ہونا ضروری ہے۔ چاہے وہ صبی ممیّز ہی کیوں نہ ہو نیز خواہ مسجد میں ہو یا غیر مسجد لہذا اگر ایک سے زیادہ لوگ غیر مسجد میں بھی با جماعت نماز ادا کریں تو اس پر جماعت کا اطلاق ہوگا۔

جماعت ثانیہ کا حکم:

نوٹ: مسجد محلّہ میں مستقل اذان واقامت کے ساتھ جماعت ثانیہ حضرات حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے اور مسجد طریق میں یا ایسی مسجد جس کا امام ومؤذن متعین نہ ہو جماعت ثانیہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مسجد طریق کا تعارف اور حکم:

مسجد طریق اس مسجد کو کہتے ہیں جس کا امام ومؤذن مقرر نہ ہو اور نہ ہی نماز

کے اوقات اور نمازی متعین ہوں۔

اگر یہ صفات کسی مسجد میں پائے جاتے ہوں تو اس مسجد میں وقت مقررہ پر مقرر امام کے نماز پڑھا دینے کے بعد امام ہی کے مصلے پر کھڑے ہو کر اسی نماز کی دوسرے شخص کے لئے جماعت ثانیہ کی امامت کرنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر ایسی مسجد میں امام کی جگہ سے ہٹ کر یعنی محراب کے بجائے صفوف میں سے کسی صف میں کھڑا ہو کر کوئی شخص جماعت ثانیہ کی امامت کرائے تو صحیح قول کے مطابق مکروہ نہیں ہے (بزازیہ)۔

لیکن اہل محلّہ کو اپنی اس مسجد میں جہاں وہ پنج وقتہ نماز ادا کرتے ہیں جماعت ثانیہ سے احتراز کرنا چاہئے اور ان کو مسجد کی جماعت کا پابند بننا چاہئے اس لئے کہ جماعت ثانیہ کی اجازت کبھی کبھار یا سفر کی بنیاد پر ہے لہذا اس کا عادی بننا روح جماعت کے خلاف ہے اور مزاج شریعت کے بھی خلاف ہے۔

امامت کا زیادہ حقدار کون ہے؟

جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی کے لئے ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ امام کس کو بنایا جائے اس سلسلہ میں عام کتب فقہ میں وہی بات ملتی ہے جس کو امام قدوری نے بھی یہاں پر ذکر کیا ہے:

(۱) پہلے نمبر پر لوگوں میں امامت کا زیادہ حقدار وہ شخص ہے جس کو کتاب وسنت یعنی شریعت کی زیادہ واقفیت حاصل ہو لیکن یہ اس صورت میں ہے جب

جماعت کسی کے گھر میں نہ ہورہی ہو ورنہ صاحب البیت احق بالإ مامۃ کے تحت مکان مالک امامت کا زیادہ حقدار ہے بشرطیکہ اس میں امامت کی اہلیت وصلاحیت ہو۔

(۲) اگر سب کے سب لوگ علم کتاب وسنت میں برابر ہوں تب ایسا شخص امامت کا زیادہ حقدار ہے جو قرآن کریم کو صفات ومخارج کے ساتھ دلکش انداز میں پڑھنے پر قادر ہو۔

(۳) اگر اس صفت میں بھی سب کے سب برابر ہوں تب ایسا شخص امامت کا زیادہ حق دار ہے جس کی زندگی میں تقوی اور ورع زیادہ ہو یعنی محرمات کے ساتھ مشتبہات سے بھی احتراز کرتا ہو۔

(۴) اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تب ایسی صورت میں وہ شخص امامت کا زیادہ مستحق ہے جو عمر میں سب سے بڑا ہو۔

(۵) اگر عمر میں سب کے سب برابر ہوں تب وہ شخص امامت کا حقدار ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

(۶) اگر اخلاق میں بھی سب اچھے ہوں تب وہ شخص امامت کا زیادہ حق دار ہے جو وجیہ اور صاف صورت وشکل کا حامل ہو۔

(۷) اگر اس صفت میں بھی سب برابر ہوں تب وہ شخص امامت کا زیادہ حقدار ہے جو نسب کے اعتبار سے اونچا ہو۔

(۸) اگر سب کے سب نسب کے اعتبار سے بھی اونچے ہوں تب وہ شخص امامت کا زیادہ حقدار ہے جو خوش لباس ہو یعنی صاف ستھرے کپڑے پہننے کا عادی ہو اگر اس صفت میں بھی سب کے سب برابر ہوں تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی یا اختیار قوم کے سپرد کر دیا جائے گا، لہذا قرعہ اندازی میں جس کا نام نکلے گا یا قوم جس کو نامزد کر دے گی وہ امامت کا حقدار ہوگا، لیکن اگر قوم میں بھی اختلاف ہو جائے تو اکثریت کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے گا۔

تفصیلات فقہاء کا خلاصہ:

نوٹ: حضرات فقہاء کی اس گفتگو کا حاصل روح جماعت کو زندہ رکھنا ہے شریعت کی نظر میں جماعت کے ساتھ ادا کی جانے والی نماز کی قیادت وامامت ایسے افراد کے سپرد ہونی چاہئے جن کی شخصیت عوام میں پرکشش ہو خواہ علم کی وجہ سے یا تقوی وطہارت کی وجہ سے خواہ اخلاق کی وجہ سے یا لباس کی وجہ سے تاکہ اس کی شخصیت باعث تکثیر جماعت ہو نہ کہ باعث تقلیل وتنفیر اسی لئے آقا ﷺ نے ایسے ائمہ کو مصلی سے ہٹ جانے کا حکم دیا ہے جو نمازیوں کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہوں اور جس کی وجہ سے جماعت کی روح متاثر ہو رہی ہو۔

"ویکره تقديم العبد والأعرابی والفاسق والأعمی وولد الزنا فإن تقدموا جاز"۔

کن لوگوں کوامام بنانا مکروہ ہے؟

جیسا کہ اوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ امامت کے لئے ایسی شخصیات کا انتخاب ہونا چاہئے جوعوام میں پرکشش ہوں اور جس کی وجہ سے تکثیر جماعت یعنی جماعت میں زیادہ سے زیادہ لوگ شریک ہوں اسی وجہ سے حضرات فقہاء نے ایسے لوگوں کوامام بنانا مکروہ قرار دیا ہے جن میں کسی نہ کسی درجہ میں کوئی ایسی معیوب چیز پائی جاتی ہو جو باعث تقلیل یا تنفیر جماعت ہواسی لئے غلام، اعرابی، فاسق، نابینا، ولد الزنا کے امام بنانے کومکروہ فرمایا ہے چونکہ یہ یا تو غلبہ جہالت یا عدم اہتمام بالدین کی وجہ سے باعث تقلیل وتنفیر جماعت ہیں اگر چہ فقہاء نے ان کی تقدیم کومکروہ تنزیہی قرار دیا ہے لہٰذا اگر کسی موقع سے کبھی یہ مصلی سنبھال لیں تو ان کے پیچھے نماز جائز ہے ان کی اقتدا میں ادا کی ہوئی نماز واجب الاعادہ نہیں ہے چونکہ آقا ﷺ کا ارشاد ہے: **صلوا خلف کل بر و فاجر** (ابوداؤد شریف) یعنی ہر ایک نیک و بد کے پیچھے نماز ادا کرلو۔

"وینبغی للإمام أن لا یطول بھم الصلاۃ"۔

امام کو چاہئے کہ ہلکی نماز پڑھائے:

جیسا کہ ابھی عرض کیا جاچکا ہے کہ مقصود تکثیر جماعت ہے اس لئے امام کو چاہئے کہ قراءت اتنی لمبی نہ کرے کہ نمازی اکتا جائیں اور جماعت میں شرکت چھوڑ

دیں بلکہ قراءت مسنونہ اوراذ کار مسنونہ پر اکتفا کرے بلکہ اگرضرورت ہوتو اس میں بھی تخفیف کردے تاکہ تکثیر جماعت باقی رہے چنانچہ ایک موقع پر اسی انداز کی بات پر آقا ﷺ نے حضرت معاذؓ کی تنبیہ فرمائی تھی اور تخفیف کا ان کو حکم فرمایا تھا۔

"ویکره للنساء أن یصلین وحدهن بجماعة فإن فعلن وقفت الإمام وسطهن كالعراة"۔

صرف عورتوں کی جماعت کا حکم:

صرف عورتوں کی جماعت بغیر مردوں کے مکروہ تحریمی ہے خواہ نماز فرض ہو یا نفل لیکن اگر صرف عورتیں جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں تو عورت امام کا عورتوں کے بیچ میں کھڑا ہونا ضروری ہے اگر مردوں کی طرح آگے بڑھ کر کھڑی ہوں گی تو اگرچہ نماز تو صحیح ہوجائے گی لیکن گنہگار ہوں گی۔

"ومن صلى مع واحد أقامه عن يمينه فإن كان اثنين تقدم عليهما"۔

ایک مقتدی کہاں کھڑا ہو؟

اگرامام کے ساتھ صرف ایک ہی مقتدی ہوخواہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہوتو اس کو امام اپنی داہنی طرف کھڑا کرے اور امام سے قدرے وہ پیچھے کھڑا ہو لیکن اگر امام کی محاذات میں کھڑا ہوگیا تو بھی کوئی حرج نہیں نماز ہوجائے گی بلکہ یہی ظاہر الروایت

ہے البتہ مقتدی اس کا خیال ضرور رکھے کہ اس کے پاؤں امام کے پاؤں سے آگے نہ ہونے پائے۔لیکن اگر بھول کر یا کسی وجہ سے تنہا مقتدی امام کے بائیں طرف یا پیچھے کھڑا ہوگیا تب بھی نماز ہوجائے گی لیکن ایسا کرنا برا ہے(جوہرہ)۔

اگر مقتدی دو یا اس سے زائد ہوں تو کہاں کھڑے ہوں؟

اور اگر امام کے ساتھ دو یا اس سے زائد مقتدی ہوں تو امام کو چاہئے کہ وہ خود آگے ہوجائے اور مقتدیوں کی صف اپنے پیچھے لگادے لیکن اگر دو سے زائد مقتدی ہوں اور وہ امام کے بغل میں کھڑے ہوں یا ایک بغل میں کھڑا ہو اور باقی پیچھے صف میں ہوں تو یہ مکروہ ہے اس طرح کھڑے ہونے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

"ولا يجوز للرجال أن يقتدوا بامرأة أو صبي"۔

مرد کے لئے عورت کی اقتداء کا حکم:

اور مردوں کے لئے کسی عورت کی اقتدا اسی طرح کسی خنثی کی اقتدا یا کسی بچہ کی اقتداء خواہ کوئی بھی نماز ہو حتی کہ نفل اور نماز جنازہ میں بھی اصح قول کے مطابق درست نہیں ہے۔

"ويصف الرجال ثم الصبيان ثم الخنثى ثم النساء فإن قامت امرأة إلى جنب رجل وهما مشتركان في صلاة واحدة فسدت صلاته"۔

صفوں کی ترتیب کا طریقہ:

صفوف کے لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ امام اپنے پیچھے پہلے مردوں کی صف لگائے پھر بچوں کی صف لگائے اور اگر ایک ہی بچہ ہو تو مستقل صف بنانے کی ضرورت نہیں ہے وہ بچہ مردوں کی صف میں کنارے کھڑا ہو جائے اس کے بعد خنثی کی صف لگائے خواہ ایک ہو یا زائد ان کے لئے ایک صف مستقل بنائی جائے پھر عورتوں کی صف لگائے خواہ ایک ہو یا زائد ان کے لئے بھی ایک صف مستقل بنائی جائے اور امام کو چاہئے کہ لوگوں کو تسویہ صفوف، بیچ کے خلا کو پر کرنے، اور مونڈھے سے مونڈھا ملا کر کھڑے ہونے کی تلقین کرے اور خود امام کو صف کے بیچ میں کھڑا ہونا چاہئے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے کو اس کا خیال ضرور رکھنا چاہئے کہ کوئی عورت اس کے بغل میں آ کر کھڑی نہ ہو۔

محاذاۃ کا حکم:

لہٰذا اگر کوئی عورت آ کر بغل میں کھڑی ہو گئی بشرطیکہ وہ مشتہاۃ ہو خواہ آزاد ہو یا باندی خواہ بیوی ہو یا محرم اور مکمل ایک رکن میں کھڑی رہی اور ان دونوں کی نماز بھی ایک ہو اور وہ نماز رکوع وسجدہ والی ہو اور ان دونوں کے درمیان کوئی حائل نہ ہو اور مرد نے اس عورت کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ بھی نہ کیا ہو اور امام نے عورتوں کی امامت کی نیت بھی کی ہو تو ایسی صورت میں مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی عورت کی نہیں۔

"ویکره للنساء حضور الجماعة ولا بأس بأن تخرج العجوز فی الفجر والمغرب والعشاء عند أبی حنیفة وقال أبویوسف ومحمد یجوز خروج العجوز فی سائر الصلوة"۔

عورتوں کے لئے مساجد میں آنے کا حکم:

جوان عورتوں کے لئے مساجد کی جماعت کی حاضری فتنہ کی وجہ سے مکروہ ہے البتہ ایسی بوڑھی عورتیں جو نا قابل اشتہاء ہوں ان کے لئے صرف فجر اور مغرب وعشاء میں نکلنے کی اجازت ہے لیکن یہ حضرت امام ابوحنیفہ کی رائے ہے اس کے برخلاف حضرت امام ابو یوسف وامام محمد بوڑھی عورتوں کو پانچوں نمازوں میں نکلنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن آج کے دور میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ خواہ عورت جوان ہو یا بوڑھی نماز اپنے گھر میں ادا کرے نماز کے لئے مسجد جانا مکروہ ہے اس لئے کہ **لکل ساقطة لاقطة** لہذا مکمل احتیاط و پرہیز کی ضرورت ہے (کذافی الجوہرۃ النیرہ)۔

"ولا یصل الطاهر خلف من به سلس البول ولا الطاهرات خلف المستحاضة ولا القاری خلف الأمی ولا المکتسی خلف العریان، ویجوزان یؤم المتیمم المتوضئین والماسح علی الخفین الغاسلین ویصلی القائم خلف القاعد ولا یصلی الذی یرکع ویسجد خلف المؤمی ولا یصلی المفترض خلف المتنفل ولا من یصلی فرضاً

خلف من یصلی فرضاً آخر ویصلی المتنفل خلف المفترض"۔

کس کی اقتداء درست ہے اور کس کی نہیں؟

نماز ایک ایسی اہم عبادت ہے جو اپنے اندر بہت ساری نزاکتیں رکھتی ہے اور اس کے بہت سارے اہم اصول ہیں خاص کر اقتداء کے لئے اس لئے نمازی کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ وہ کس کی اقتداء کر سکتا ہے اور کس کی نہیں۔

لہٰذا ایسا شخص جو غیر معذور ہو مکمل وضو اور طہارت جس نے حاصل کی ہو وہ ایسے شخص کی اقتداء نہ کرے جو سلسل بول کا مریض ہو، ہاں البتہ معذور اپنے ہی جیسے عذر والے شخص کی یا اپنے سے کم درجہ عذر والے شخص کی اقتداء کر سکتا ہے۔ اسی طرح پاک صاف عورت مستحاضہ کی اقتداء نہ کرے، اسی طرح ایسا شخص جس کو قرآن کریم کا اتنا حصہ یاد ہو جس سے نماز ہو جاتی ہو وہ ایسے شخص کی اقتداء نہ کرے جو اس سے بھی محروم ہو، اسی طرح ایسا شخص جس کے پاس بدن چھپانے کے لئے پورا کپڑا ہو وہ ننگے شخص کی اقتداء نہ کرے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ قوی حال والا کمزور حال کی اقتداء نہ کرے البتہ کمزور قوی کی اقتدا کر سکتا ہے یا دونوں حال کے اعتبار سے برابر ہوں تب ان میں سے ہر ایک دوسرے کی اقتداء کر سکتا ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ مسئلہ کا ایک دوسرا رخ بھی ہے اس کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ تیمّم کرنے والا وضو کرنے والوں کی امامت کر سکتا ہے اسی طرح موزہ پر مسح

کرنے والا پاؤں دھونے والوں کی امامت کرسکتا ہے، اسی طرح کھڑا ہو کر نماز پڑھنے والا بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی اقتدا کرسکتا ہے، اگر چہ اس مسئلہ میں حضرت امام محمدؒ کا اختلاف ہے وہ اس کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں لیکن حضرات جمہور نے نص کی وجہ سے اس مسئلہ میں قیاس کو ترک کر دیا ہے۔

البتہ ایسا شخص جو رکوع اور سجدہ کرنے پر قادر ہو ہر طرح توانا وتندرست ہو وہ ایسے شخص کی اقتداء نہ کرے جو اشارے سے نماز ادا کر رہا ہو، اسی طرح فرض نماز ادا کرنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتداء نہ کرے۔ اسی طرح ایسا شخص جو مثلاً ظہر کی نماز ادا کرنا چاہتا ہو وہ ایسے شخص کی اقتداء نہ کرے جو مثلاً عصر کی نماز پڑھ رہا ہو، البتہ نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتداء کرسکتا ہے ان سب مسائل میں کم وبیش اقوی واضعف ہی بنیاد ہے جس کا تذکرہ ابھی چند سطور پہلے آچکا ہے۔

"ومن اقتدى بإمام ثم علم أنه على غير وضوء أعاد الصلاة"۔

بلا وضوء نماز پڑھانے والے امام کے مقتدی کا حکم:

کسی شخص نے امام کی اقتدا میں نماز ادا کی نماز کے بعد مقتدی کو معلوم ہوا کہ امام نے بغیر وضو کے نماز پڑھا دی ہے تو ایسی صورت میں مقتدی کے لئے ضروری ہے کہ اس امام کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ کرلے۔ اسی طرح اگر دوران نماز کوئی ایسی بات پیش آگئی جو امام کے زعم کے مطابق مفسد صلاۃ یا ناقض وضو نہیں ہے لیکن

مقتدی کے زعم کے مطابق وہ مفسد صلاۃ ہے یا ناقض وضو ہے تو اس صورت میں بھی مقتدی اپنی نماز کا اعادہ کرلے۔

"ویکره للمصلي أن يعبث بثوبه أو بجسده ولا يقلب الحصى إلا أن لا يمكنه السجود عليه فيسويه مرة واحدة ولا يفرقع أصابعه، ولا يشبكه، ولا يتخصر، ولا يسدل ثوبه، ولا يعقص شعره، ولا يكف ثوبه، ولا يلتفت يميناً وشمالاً ولا يقعي كاقعاء الكلب، ولا يرد السلام بلسانه ولا بيده ولا يتربع إلا من عذر ولا يأكل ولا يشرب"۔

مکروہات نماز کا بیان:

نماز چونکہ ایک عظیم الشان عمل ہے اس میں خشوع وخضوع واستحضار مطلوب ہے لہذا ایسے اعمال وحرکات جو اس کے منافی ہوں شریعت اس کو پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھتی اسی کو فقہاء کی اصطلاح میں مکروہ سے تعبیر کیا جاتا ہے لہذا ہر نمازی کے علم میں وہ مکروہات رہنے چاہئیں تاکہ وہ اس سے مکمل احتراز کرسکے۔

۱- نمازی کا اپنے کپڑے یا بدن سے کھیلنا فعل عبث ہے اور مکروہ ہے۔ ہر وہ عمل جس میں کوئی فائدہ نہ ہو اس کو عبث کہتے ہیں اور نماز میں نمازی کا ایسے افعال میں مشغول ہونا جو افعال صلاۃ میں سے نہ ہو وہ فعل عبث کہلاتا ہے اس لئے کہ اس طرح کے بعض افعال منافی صلاۃ ہیں بعض مفسد صلوۃ ہیں۔

۲-اگر نمازی نماز ایسی جگہ ادا کر رہا ہے جہاں پختہ فرش کے بجائے سنگ ریزے بچھے ہوئے ہیں اور ان پر سجدہ کرنا بلا مشقت ممکن نہیں ہے تو ہاتھ سے ان سنگریزوں کو صرف ایک مرتبہ برابر کرنے کی اجازت ہے تاکہ بسہولت نمازی اس پر سجدہ کر سکے اگرچہ اس کا ترک کرنا افضل ہے اس لئے کہ اسی حال میں ان سنگریزوں پر سجدہ کرنا اقرب الی الخشوع ہے لیکن بلاضرورت سنگریزوں کو الٹ پلٹ کرنا نماز کی حالت میں ایک طرح کا فعل عبث ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

۳-نمازی کے لئے نماز کی حالت میں اپنے انگلیوں کو چٹخانا خواہ انگلی کو دبا کر ہو یا کھینچ کر یہ عمل بھی مکروہ ہے لیکن نماز کے علاوہ بھی انگلیوں کو چٹخانے سے پرہیز کرنا چاہئے جیسا کہ بعض بزرگوں نے اس کی صراحت کی ہے اور اس کو شیطان کی تسبیح قرار دیا ہے۔

۴-اسی طرح نمازی نماز کی حالت میں تشبیک سے بھی احتراز کرے خواہ کسی رکن میں ہو یعنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں نہ ڈالے۔

۵-نمازی نماز کی حالت میں کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا نہ ہو اس لئے کہ یہ سنت کے خلاف بھی ہے اور شیطان کی ہیئت کے مشابہ بھی ہے اسی لئے آقا ﷺ نے عام حالات میں بھی اس ہیئت پر کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے اور اس کو شیطانی ہیئت قرار دیا ہے۔

۶-اسی طرح نمازی نماز کی حالت میں اس طرح کپڑے کو نہ استعمال کرے

کہ اس کے بیچ کا حصہ اس کے سر اور مونڈھے پر ہو اور دونوں کونے دونوں طرف لٹک رہے ہوں یا قباء کو مونڈھوں پر ڈال لے اور ہاتھوں کو آستین سے باہر نکال لے یہ ہیئت خواہ تکبراً ہو یا تہاوناً بہر صورت مکروہ ہے۔

۷-نمازی کے لئے یہ بھی مکروہ ہے کہ اپنے بڑے بالوں کو جمع کر کے سر کے پچھلے حصہ پر یا بیچ میں کسی چیز کے ذریعہ اس کو باندھ دے بلکہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ سر کے بالوں کو اس کی حالت پر چھوڑ دے تا کہ سجدہ ریزی کا اس کو بھی شرف حاصل ہو سکے۔

۸-اسی طرح نمازی کے لئے یہ بھی مکروہ ہے کہ سجدے کی حالت میں اپنے کپڑے کے اگلے اور پچھلے حصہ کو اٹھا لے یا لپیٹ لے یا سجدہ سے پہلے اپنے کپڑے کو لپیٹ کر کمر میں باندھ لے ایسا کرنا سنت اور خشوع وخضوع کے خلاف ہے۔

۹-نمازی کے لئے یہ بھی مکروہ ہے کہ نماز کی حالت میں چہرہ کو قبلہ کی طرف سے ہٹا کر گردن گھما کر دائیں بائیں دیکھے لیکن اگر کوئی شخص بغیر چہرہ قبلہ سے ہٹائے بغیر گردن گھمائے گوشہ چشم یعنی کنکھیوں سے دائیں بائیں دیکھ لے تو یہ اگر چہ مکروہ نہیں لیکن خلاف اولی ہے۔

۱۰-نمازی کے لئے نماز کی حالت میں (قعدہ میں) کتے کی طرح بیٹھنا بھی مکروہ ہے، اور کتے کی طرح بیٹھنے سے مراد یہ ہے کہ کولہے کے بل بیٹھ جائے اور دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر لے اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھ لے۔

۱۱-اسی طرح نمازی کے لئے نماز کی حالت میں کسی کے سلام کا زبان سے

جواب دینا یا ہاتھ کے اشارہ سے جواب دینا بھی ممنوع ہے لہٰذا اگر کسی نمازی نے ایسا کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

۱۲- اسی طرح نمازی کے لئے نماز کی حالت میں (قعدہ میں) بلا عذر شرعی چہار زانو بیٹھنا مکروہ ہے چونکہ یہ مسنون طریقہ کے خلاف ہے۔

۱۳- اسی طرح نمازی کے لئے نماز کی حالت میں کھانا پینا بھی ممنوع ہے لہٰذا اگر کسی نمازی نے جان بوجھ کر یا بھول کر کھا پی لیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی چونکہ یہ عمل نماز کے عمل کے منافی ہے۔

"فإن سبقه الحدث انصرف وتوضأ وبنى على صلوته إن لم يكن إماماً فإن كان إماماً استخلف، وتوضأ وبنى على صلوته مالم يتكلم والاستيناف أفضل وإن نام فاحتلم أو جنى أو أغمى عليه أو قهقه استأنف الوضوء والصلوة وإن تكلم فى صلوته عامداً أو ساهياً بطلت صلوته وإن سبقه الحدث بعد ما قعد قدر التشهد توضأ وسلم وإن تعمد الحدث فى هذه الحالة أو تكلم أو عمل عملاً ينافى الصلوة تمت صلوته"۔

نماز کی حالت میں حدث لاحق ہونے کا حکم:

نمازی کو کبھی اپنا خلیفہ اور نائب بھی بنانا پڑتا ہے اسی طرح بعض اعمال وہ

ہیں جن سے وضواور نماز دونوں باطل ہوجاتے ہیں بعض صورتوں میں صرف نماز باطل ہوتی ہے وضونہیں یہ وہ پیچیدہ مسائل ہیں جس سے ہرنمازی کو باخبر رہنا چاہئے لہذا سنئیے اگرکسی نمازی کونماز کی حالت میں حدث لاحق ہوجائے تو اس کوبغیر کسی انتظار کے اپنا مصلی چھوڑ دینا چاہئے اگرایک رکن کے بقدر مصلے پر کھڑا رہا تواس کی نماز باطل ہوجائے گی لہذا وہ فوراً نکلے اور قریبی جگہ سے وضوکر کے واپس آئے (اس صورت میں اس کا قبلہ کی طرف سے چہرہ کا ہٹنا، چلنا، پانی لینا، نجاست کودھونا یہ سب وہ اعمال ہیں جو مفسد صلاۃ نہیں ہیں) ہاں اگر قریبی جگہ کو چھوڑ کر دور چلا گیا تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی اور اپنی نماز کی بنا کرے اگر وہ امام نہ ہواور اگرامام ہوتو اپنے پیچھے کھڑے شخص کا کپڑا پکڑکراوراس کو کھینچ کر اپنی جگہ محراب میں کھڑا کردے اور خود وضوگاہ کے پاس چلا جائے اور وضو سے فارغ ہوکر مسجد میں آکر اپنی نماز کی بنا کرے اسی وجہ سے بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ امام کے پیچھے ایسا شخص کھڑا ہو جو نیابت کے مسائل سے پورے طور پر واقف ہواور بوقت ضرورت امام کی پوری نیابت وہ کر سکے۔

لہٰذا اس زمانہ جو عام طور پر مساجد میں امام کے پیچھے ایک مصلی بچھا ہوتا ہے اور وہ مصلی مؤذن کے لئے مخصوص ہوتا ہے جبکہ ننانوے فیصد مؤذنین مسائل نیابت سے واقف نہیں ہوتے ایسی صورت میں معہود رواج وطریقہ خلاف شریعت وسنت ہے، بلکہ اس سلسلہ میں آقاﷺ کا ارشاد ہے: **"لیلینی منکم أولو الأحلام والنهی"** جس کے مقاصد میں ایک اہم مقصد نیابت کے فرائض کی انجام دہی بھی ہے۔

صورت مذکورہ کی دوسری چند شقیں بھی ہیں جو بطور افادہ کے سپرد قرطاس کی جارہی ہیں:

۱- جس نمازی کو حدث لاحق ہوا ہے اگر وہ منفرد ہے تو وضو سے فارغ ہونے کے بعد اس کو اختیار رہے کہ بقیہ نماز اگر چاہے تو وضو کی ہی جگہ مکمل کر لے تا کہ چلنا کم پڑے اور اگر چاہے تو اسی جگہ پہنچ کر نماز مکمل کرے جہاں سے وہ واپس آیا تھا اور یہی اس کے لئے افضل ہے تا کہ اس کی نماز ایک ہی جگہ مکمل ہو۔

۲- اور اگر ایسا شخص مقتدی ہو اور امام ابھی نماز سے فارغ نہ ہوا ہو تو وہ امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے اور اگر امام جماعت سے فارغ ہو چکا ہو تو یہ منفرد کی طرح با اختیار ہے خواہ بقیہ نماز کی تکمیل وضو کی جگہ کر لے یا جس جگہ سے وہ لوٹ کر آیا تھا اسی جگہ پہنچ کر مکمل کر لے۔

۳- اگر ایسا شخص امام ہو اور اس کا نائب نماز سے فارغ ہو چکا ہو تو اس کو بھی منفرد کی طرح دونوں اختیارات ہوں گے اور اگر نائب نماز سے فارغ نہ ہوا ہو تو مقتدی کی حیثیت سے صف میں پہنچ کر اپنے نائب کی اقتداء میں نماز مکمل کرے۔

لیکن جن صورتوں میں بنا کی بات کہی گئی ہے افضل یہ ہے کہ اختلاف سے نکلتے ہوئے اور نماز کو متفق علیہ بنانے کے لئے بنا کے بجائے استیناف پر ہی عمل کرے یعنی از سر نو نماز ادا کرے اگر چہ بعض فقہاء کی یہ رائے ہے کہ منفرد تو بہر حال از سرِ نو نماز پڑھے لیکن امام اور مقتدی کو بنا کرنا چاہئے تا کہ جماعت کی فضیلت سے وہ محروم نہ ہوں۔

نماز کی حالت میں مفسد صلوۃ کسی چیز کے پیش آنے کا حکم:

اگر کسی نمازی کو نماز کی حالت میں نیند آ گئی اور بے خوابی اتنی بڑھی کہ بدخوابی تک اس کو پہنچا دیا جس کے نتیجہ میں اس کو احتلام ہو گیا یا نماز کی حالت میں کسی شخص پر جنون طاری ہو گیا یا بے ہوشی طاری ہو گئی یا بلند آواز سے زور سے ہنس پڑا تو ان ساری صورتوں میں نماز کے ساتھ ان کا وضو بھی ختم ہو جائے گا لہذا ان کو پوری پاکی حاصل کرنے کے بعد دوبارہ نماز ادا کرنی ہوگی۔

اسی طرح اگر کسی نمازی نے نماز کی حالت میں کوئی مفہوم کلام زبان سے نکالا خواہ جان بوجھ کر ہو یا بھول کر اس کی بھی نماز باطل ہو جائے گی۔

اسی طرح اگر کسی نے نماز کی حالت میں آں اُوں کیا یا اوہ آہ کیا یا کسی تکلیف یا مصیبت کی وجہ سے بلند آواز سے رو پڑا تو اس صورت میں بھی نماز باطل ہو جائے گی الا یہ کہ رونا جنت کے شوق یا جہنم کے خوف سے ہو تب نماز باطل نہیں ہوگی۔

اگر کسی شخص کو تشہد کے بقدر بیٹھنے کے بعد حدث پیش آ جائے تو ایسا شخص وضو کر کے اپنی جگہ پر واپس آئے اور دونوں طرف سلام پھیر کر واجب کو ادا کر کے نماز مکمل کر لے۔

اور اگر تشہد کے بقدر بیٹھنے کے بعد جان بوجھ کر کوئی حدث لاحق کر لے یا جان بوجھ کر کسی سے بات کر لے یا جان بوجھ کر کوئی ایسا عمل کرے جو منافی صلاۃ ہو تو

اگر چہ اس صورت میں اس کی نماز مکمل ہو جائے گی اس لئے کہ خروج بصنعہ جو فرض ہے اس کا تحقق ہو چکا ہے اور اب اس کے ذمہ کوئی رکن باقی بھی نہیں رہ گیا ہے اور قاطع صلاۃ امر کے پیش آنے کی وجہ سے بناء متعذر ہے لیکن ایسا کرنا اور ان جیسے اعمال کے ذریعہ نماز سے نکلنا انتہائی قبیح، ناپسندیدہ اور قابل مذمت عمل ہے۔

"وإن رأى المتيمم الماء فی صلوته بطلت صلوته وإن رآه بعد ما قعد قدر التشهد أو كان ماسحاً على الخفين، فانقضت مدة مسحه أو خلع خفيه بعمل قليل أو كان أمياً فتعلم سورة أو عرياناً فوجد ثوباً أو مومياً فقدر على الركو ع والسجود أو تذكر أن عليه صلوة قبل هذه الصلوة أو أحدث الإمام القارى فاستخلف اميا، أو طلعت الشمس فی صلوة الفجر أو دخل وقت العصر فی الجمعة، أو كان ماسحاً على الجبيرة فسقطت عن برء أو كان صاحب عذر فانقطع عذره بطلت صلوتهم فی قول أبی حنيفة وقال أبويوسف ومحمد تمت صلوتهم فی هذه المسائل"۔

مفسدات صلوۃ کا بیان:

کچھ چیزیں ایسی ہیں جو نمازی کے علم میں رہنا چاہئے کہ وہ کب مفسد صلاۃ ہیں کب نہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمّم کر کے نماز شروع کیا اور

اثناء صلوۃ قعدہ اخیرہ میں بقدر تشہد بیٹھنے سے پہلے اتنا پانی میسر ہوگیا جس سے بآسانی پورا وضو کرسکتا ہے تو ایسے شخص کی بالاتفاق نماز باطل ہوجائے گی لہذا وضو کرکے دوبارہ نماز ادا کرے۔ لیکن اگر ایسے شخص کو پانی اس وقت ملا جبکہ بقدر تشہد قعدہ اخیرہ میں بیٹھ چکا تھا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز باطل ہوجائے گی لیکن حضرت امام ابویوسف ومحمدؒ کے نزدیک نماز مکمل اور درست ہوجائے گی دونوں حضرات کی دلیل عنقریب آنے والی ہے۔

اسی طرح کچھ اور بھی مسائل ہیں جن میں دونوں حضرات کا اختلاف ہے، مثلاً:

(۱) ایک شخص چمڑے کے موزہ پر مسح کرکے نماز ادا کررہا ہو اور اثناء صلاۃ مسح کی مدت ختم ہوگئی۔

(۲) یا معمولی عمل کی وجہ سے خفین پاؤں سے نکل گیا عمل قلیل کی قید اس وجہ سے لگائی ہے کہ اگر عمل کثیر کی وجہ سے موزہ پاؤں سے نکل گیا تو بالاتفاق نماز مکمل ہوجائے گی۔

(۳) ایک شخص ہے جو امی ہے اور اثناء صلوۃ بقدرۃ خداوندی اس نے بقدر ما تجوز بہ الصلاۃ قراءت پر قدرت حاصل کرلی یا کسی نے تلاوت کی اور بامداد خداوندی اس کو وہ آیت محفوظ ہوگئی اب وہ امی نہیں رہا بلکہ قاری ہوگیا۔

(۴) اسی طرح ایک شخص کپڑا نہ ہونے کی وجہ سے ننگا نماز ادا کر رہا تھا اور نماز کے دوران اتنا کپڑا اس کو مل گیا جس سے ستر پوشی کر سکتا ہے۔

(۵) اسی طرح ایک شخص کسی عذر یا بیماری کی وجہ سے رکوع وسجدہ پر قادر نہیں تھا اشارہ سے رکوع وسجدہ کر رہا تھا دوران نماز اللہ نے کرم کیا اور اچانک وہ ٹھیک ہو گیا رکوع وسجدہ پر قادر ہو گیا۔

(٦) اسی طرح ایک شخص صاحب ترتیب تھا اور اس نے وقتیہ شروع کر دیا اور فائتہ کو بھول گیا اور دوران نماز اس کو چھوٹی ہوئی نماز یاد آئی اور وقت میں ابھی اتنی گنجائش ہے کہ وہ فائتہ ادا کرنے کے بعد وقتیہ ادا کر سکتا ہے۔

(۷) اسی طرح ایک شخص امامت کر رہا تھا اور دوران نماز اس کو حدث لاحق ہو گیا یعنی اس کا وضو ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے اس نے اپنے پیچھے والے کو خلیفہ بنایا لیکن جس کو اپنا نائب بنایا وہ امی تھا۔

(۸) اسی طرح ایک شخص نے نماز فجر شروع کی اور نماز کے دوران سورج نکل آیا۔

(۹) اسی طرح جمعہ کی نماز اتنی تاخیر سے شروع ہوئی کہ دوران نماز عصر کا وقت ہو گیا۔

(۱۰) اسی طرح ایک شخص مجبوری کی وجہ سے پٹی پر مسح کر کے نماز ادا کر رہا تھا اور دوران نماز اس کا زخم ٹھیک ہو گیا اور پٹی گر گئی۔

(۱۱) اسی طرح ایک شخص معذور تھا اور درمیان نماز اس کا عذر ختم ہو گیا جیسے ایک عورت مستحاضہ تھی اور دوران نماز اس کا استحاضہ ختم ہو گیا۔

ان ساری صورتوں میں اگر نمازی قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھ چکا تھا تو حضرت امام ابو یوسف ومحمدؒ کے نزدیک نماز درست ہو جائے گی۔

اور حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں درست نہیں ہوگی بلکہ اس کی نماز باطل ہو جائے گی، اس لئے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خروج بصنعہ یعنی نمازی کا نماز سے اپنے اختیاری عمل سے نکلنا فرض ہے اور ان صورتوں میں یہ بات نہیں پائی گئی جو کچھ ہوا ہے وہ غیر اختیاری ہے لہذا ایک فرض باقی رہنے کی وجہ سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

اس کے برخلاف حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کی نماز مکمل ہو گئی، اس لئے کہ ان حضرات کے نزدیک خروج بصنعہ فرض نہیں ہے لہذا یہ ایسا ہی ہے جیسے نماز کے بعد یہ بات پیش آئے جس سے نماز پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

لیکن عام طور پر حضرات فقہاء نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کو راجح قرار دیا ہے، اور علامہ نسفی اور دوسرے فقہاء نے بھی امام صاحب ہی کے قول کو معتمد قرار دیا ہے۔

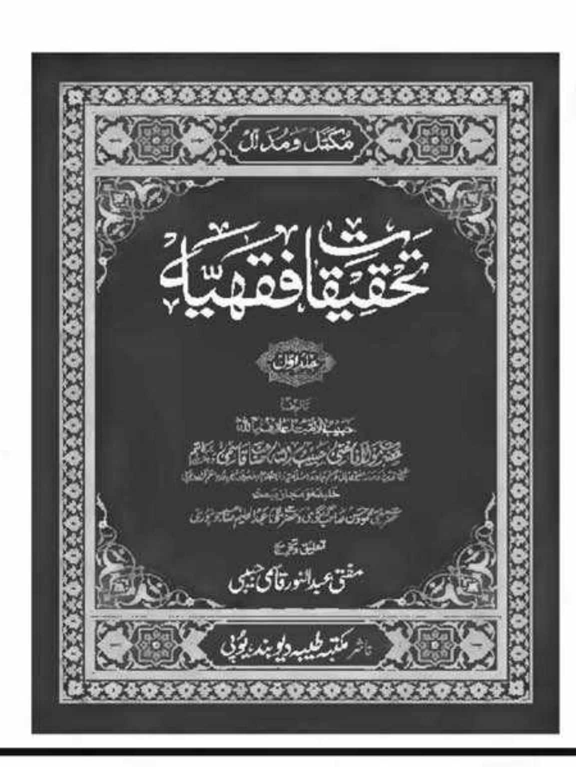
☆☆☆

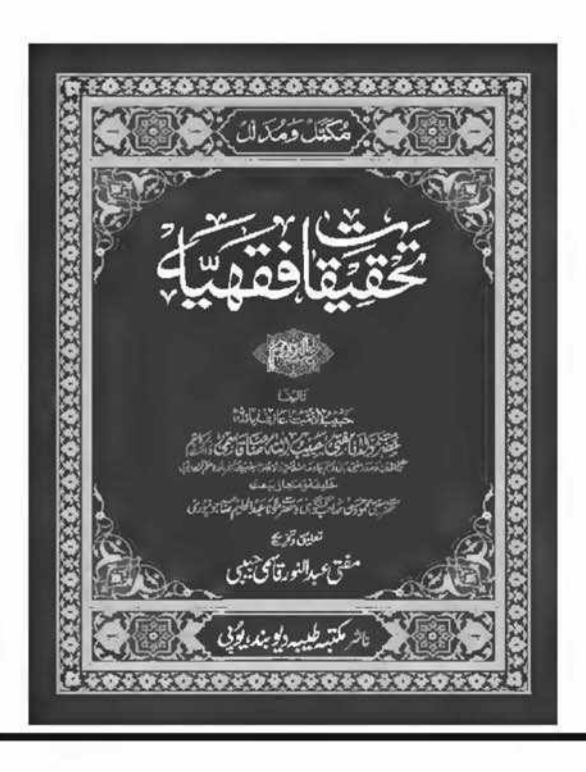
تحقیقات فقهیه

اول و دوم

۲۰۰۷ء میں جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور اعظم گڑھ میں اسلامک فقہ اکیڈمی کا ایک عظیم سمینار رہوا، اس سمینار کے موقعہ سے بہت سے احباب کی خواہش واصرار پر اس خادم کے لکھے ہوئے وہ مقالات جو اسلامک فقہ اکیڈمی کی طرف سے آنے والے سوالناموں کے جواب میں بہ شکل مقالہ مختلف عناوین پر لکھے گئے اور سمیناروں میں پیش ہوئے ان ہی مقالات کی نئی تلخیص، ترتیب، تہذیب، تبویب، تنقیح کے بعد تحقیقات فقہیہ کے نام سے شائع ہوکر ہونے والے سمینار میں آئے ہوئے علماء وفقہاء کے مطالعہ کی زینت بنی۔

لیکن حالات وضرورت کے تقاضوں کے پیش نظر ۲۰۲۱ء میں اس کتاب پر نظر ثانی کے ساتھ دو جلدوں میں نئی تحقیق وتعلیق وتخریج کے ساتھ اس کی دوبارہ اشاعت کا پروگرام بنا اور بحمد اللہ اس کی اشاعت عمل میں آئی۔





باب قضاء الفوائت

"ومن فاتته صلوة قضاها إذا ذكرها وقدمها على صلوة الوقت إلا أن يخاف فوت صلوة الوقت فيقدم صلوة الوقت على الفائتة ثم يقضيها ومن فاتته صلوة رتبها فى القضاء كما وجبت فى الأصل إلا أن تزيد الفوائت على خمس صلوة فيسقط الترتيب فيها"۔

قضاءنماز کے احکامات:

ابھی تک آپ نے ادا کے مسائل معلوم کئے جو کہ اصل ہے آیئے آپ کے سامنے قضاء کے مسائل پیش کئے جارہے ہیں جو ادا کا نائب ہے جونمازیں قضاء ہوجاتی ہیں خواہ غفلت کی وجہ سے یا نیند کے غلبہ کی وجہ سے یا نسیان وذہول کی وجہ سے اس کو حضرات فقہاء فائتہ سے تعبیر کرتے ہیں متروکہ سے نہیں اس لئے کہ ترک یعنی چھوڑنے میں انسان کے ارادہ کا دخل ہوتا ہے جو ایک مؤمن کی شان کے خلاف ہے کہ وہ جان بوجھ کر نماز چھوڑے ہاں کسی وجہ سے چھوٹ جائے یہ دوسری بات ہے۔یہ امرآخر ہے کہ فوت شدہ نمازیں خواہ عمداً ہوں یا سہواً وہ واجب الاداء ہیں،لہذا اب مسائل سنیئے اگر کسی شخص کی نماز فوت ہوجائے خواہ کسی بھی وجہ سے ہو جب بھی یاد آئے

فوراًاس کی قضا کرلے بشرطیکہ اوقات ممنوعہ نہ ہو یعنی طلوع،غروب زوال کا وقت نہ ہو اس لئے کہ ان اوقات ثلاثہ میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

اور یہ بھی یادرکھنا ہوگا کہ فائتہ کو وقتیہ سے پہلے ادا کرے الا یہ کہ اگر وقت اتنا تنگ ہو کہ فائتہ کو ادا کرنے کے بعد وقتیہ کا وقت نکل جائے گا،تب وقتیہ پہلے ادا کرے اور فائتہ کو بعد میں اور اگر کسی کی چند نمازیں قضا ہوگئی ہوں تو ان کی ادائیگی اسی ترتیب کے ساتھ ضروری ہے جس ترتیب کے ساتھ اس پر فرض ہوئی تھیں،مثلاً اگر کسی شخص کی ظہر،عصر،مغرب کی نماز قضا ہوئی ہوتو پہلے ظہر پھر عصر پھر مغرب کی قضاء کرے۔

الا یہ کہ اگر کسی کی چھ نمازیں یا اس سے زائد قضا ہوگئی ہوں تو اس کے لئے ترتیب کی رعایت ضروری نہیں ترتیب کی رعایت اس کے لئے ضروری ہے جو صاحب ترتیب ہو اور صاحب ترتیب وہ شخص کہلاتا ہے جس کی چھ نمازیں یا اس سے زائد قضاء نہ ہوئی ہوں،اگر کسی کی چھ نماز سے زائد قضا ہوئی اور اس نے اس کو ادا کرلیا پھر بھی مختار قول کے مطابق ایسا شخص صاحب ترتیب نہیں کہلائے گا۔

☆☆☆

باب الأوقات التی تکره فیها الصلوة

"لا تجوز الصلوة عند طلوع الشمس ولا عند غروبها إلا عصر یومه ولا عند قیامها فی الظهیرة ولا یصلی علی جنازة ولا یسجد للتلاوة ویکره أن یتنفل بعد صلوة الفجر حتی تطلع الشمس وبعد صلوة العصر حتی تغرب الشمس ولا بأس بأن یصلی فی هذین الوقتین الفوائت ویکره أن یتنفل بعد طلوع الفجر بأکثر من رکعتی الفجر ولا یتنفل قبل المغرب"۔

ممنوع یا مکروہ اوقات میں نماز کا حکم:

جن اوقات میں نماز پڑھنا ممنوع ہے یا مکروہ ہے ایک نمازی کے لئے اس کا بھی استحضار ضروری ہے تین اوقات ایسے ہیں (۱) طلوع شمس، (۲) غروب شمس، (۳) زوال کہ ان اوقات میں کسی بھی طرح کی عبادت کی اجازت نہیں حتی کہ نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کی بھی اجازت نہیں ہے الا یہ کہ اسی دن کی نماز عصر ہو لہذا اس کو غروب کے وقت بھی مکمل کی جا سکتی ہے چونکہ اس کا وجوب ناقص ہے، اس لئے ناقص وقت میں اس کی ادائیگی ہو سکتی ہے، اداہا کما وجبت، ضابطہ کے مطابق ہے۔

بخلاف ان نمازوں کے جن کا وجوب کامل ہو اس کی ادائیگی ناقص نہیں ہوسکتی لہٰذا اگر فائتہ عصر کوئی شخص وقتیہ کی طرح اس وقت میں ادا کرے وہ درست نہیں ہے اسی طرح نماز فجر کے بعد سے سورج نکلنے تک اور نماز عصر کے بعد سے سورج ڈوبنے تک نفل پڑھنا مکروہ ہے، البتہ ان دونوں اوقات میں فائتہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اسی طرح سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ کی ادائیگی میں کوئی حرج نہیں، لیکن ان دونوں اوقات میں طواف سے فارغ ہونے کے بعد دو رکعت طواف کی نیت سے پڑھنا مکروہ ہے، اسی طرح صبح صادق کے بعد فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ دوسری کوئی نفل نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔

اسی طرح مغرب کی اذان کے بعد مغرب کی نماز سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں مغرب کی نماز کی تاخیر ہے جبکہ مغرب کی نماز میں تعجیل مستحب ہے۔

☆☆☆

باب النوافل

"السنة فی الصلوة أن یصلی رکعتین بعد طلوع الفجر وأربعاً قبل الظهر ورکعتین بعدها وأربعاً قبل العصر وإن شاء رکعتین ورکعتین بعد المغرب وأربعاً قبل العشاء وأربعاً بعدها وإن شاء رکعتین"۔

سنتوں کے احکام ومقدار:

نوافل نافلہ کی جمع ہے اور نفل کے معنی زیادتی کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں نفل اس فعل مشروع کو کہتے ہیں جو نہ فرض ہو نہ واجب نہ سنت۔

سنت کے معنی طریقہ کے ہیں خواہ پسندیدہ ہو یا غیر پسندیدہ لیکن اصطلاح شریعت میں اس راستہ کو کہتے ہیں جس پر صاحب شریعت چلے ہوں اور دین میں وہ پسندیدہ ہو لیکن وہ فرض یا واجب نہ ہو۔ اگر کسی عمل کو آقا ﷺ نے پابندی کے ساتھ کیا ہو تو اس کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں اور اگر بغیر پابندی کے کیا ہو تو اس کو سنت غیر موکدہ کہتے ہیں۔

سنت مؤکدہ کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے اس کے چھوڑنے پر گناہ ہوتا ہے اور سنت غیر مؤکدہ جس پر نفل اور سنت دونوں کا اطلاق ہوتا ہے اس کا کرنا باعث اجر

وثواب ہے لیکن چھوڑنے پر گناہ نہیں ہوتا۔

فجر کی نماز سے قبل ۲ ر رکعت، ظہر کی نماز سے قبل ۴ رکعت، اور ظہر کی نماز کے بعد ۲ رکعت اور مغرب کی نماز کے بعد ۲ رکعت اور عشاء کی نماز کے بعد ۲ رکعت یہ کل بارہ رکعتیں ہوئیں یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

ان سنتوں میں سب سے اہم فجر کی سنت ہے اس کے بعد ظہر سے پہلے کی چار سنت اس کے علاوہ باقی سب سنتیں برابر ہیں۔

فجر کی نماز اگر قضاء ہو جائے اور اس کو زوال سے پہلے ادا کرلیا جائے تو فرض کے ساتھ فجر کی سنت بھی ادا کرنی ہوگی اور زوال کے بعد صرف فرض کی قضاء ہے۔

بخلاف اور دوسری سنتوں کے ان کی قضاء نہیں ہے۔

اور عصر سے قبل ۴ ر رکعت یا دو رکعت اور عشاء سے پہلے ۴ رکعت اور عشاء کے بعد ۴ رکعت یا ۲ رکعت یہ سنت غیر مؤکدہ ہے اس پر مستحب کا بھی اطلاق کیا جاسکتا ہے۔

"ونوافل النهار إن شاء صلى ركعتين بتسليمة واحدة وإن شاء أربعاً وتكره الزيادة على ذلک فأما نوافل الليل فقال أبوحنيفة إن صلى ثماني ركعات بتسليمة واحدة جاز وتكره الزيادة على ذلک وقال أبويوسف ومحمدلا يزيد بالليل على ركعتين بتسليمة واحدة"۔

دن اور رات کے نوافل کے احکام:

دن کے نوافل میں نمازی کو اختیار ہے خواہ وہ دو دو رکعت کر کے ادا کرے یا چار چار رکعت کر کے ایک سلام کے ساتھ ادا کرے لیکن چار رکعت سے زیادہ چھ رکعت یا آٹھ رکعت پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن رات کے نوافل میں حضرت امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ دو رکعت سے آٹھ رکعت تک ایک سلام کے ساتھ پڑھنا بلا کراہت درست ہے لیکن آٹھ رکعت سے زیادہ دس رکعت یا بارہ رکعت یا اس سے زائد ایک سلام کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے اس کے باوجود حضرت امام ابوحنیفہؒ کے یہاں افضل یہی ہے کہ خواہ رات کے نوافل ہوں یا دن کے چار چار رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔

لیکن حضرت امام ابو یوسف اور امام محمدؒ رات کے نوافل کے سلسلہ میں دو دو رکعت کے قائل ہیں یعنی ایک سلام کے ساتھ دو رکعت پر اضافہ نہ کرے اگرچہ دن کے نوافل کے سلسلہ میں ان دونوں حضرات کی بھی رائے وہی ہے جو حضرت امام صاحب کی ہے صاحب درایہ اور صاحب عیون نے حضرات صاحبین کے قول کو اوفق للحدیث قرار دیتے ہوئے مفتی بہ قرار دیا ہے لیکن امام برہانی صدر الشریعہ اور امام نسفی وغیرہ نے حضرت امام صاحب کے قول کو معتمد قرار دیا ہے۔

"والقرائة فی الفرض واجبة فی الرکعتین الأولیین وهو مخیر فی الأخیرین إن شاء قرأ الفاتحة وإن شاء سکت وإن شاء سبح

والقرائة واجبة فی جمیع رکعات النفل وجمیع الوتر ومن دخل فی صلاة النفل ثم أفسدها قضاها فإن صلی أربع رکعات وقعد فی الأولیین ثم أفسد الأخریین قضی رکعتین"۔

فرائض ونوافل کی رکعات میں قرأت کا حکم:

اور فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرنا واجب ہے لیکن مطلقاً قراءت فرائض میں فرض ہے اور رباعی نمازوں میں سے پہلی دو رکعتوں کو قراءت کے لئے متعین کرنا واجب ہے بہر حال جب رباعی فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں نمازی نے قراءت کرلیا تو اخیر کی دو رکعتوں کی قراءت کے سلسلہ میں اس کو اختیار ہے کہ چاہے سورہ فاتحہ اس میں پڑھے اور اگر چاہے تو تین مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لے اور اگر چاہے تو تین تسبیح کے بقدر خاموش کھڑا رہے بہر صورت نماز درست ہو جائے گی لہذا اگر کسی شخص نے رباعی نماز کے آخری دو رکعتوں میں سے کسی رکعت میں قراءت نہیں کیا تو سجدہ سہو ظاہر روایت کے مطابق اس پر واجب نہیں ہوگا چونکہ اخیر کی دو رکعتوں میں قراءت واجب نہیں ہے جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے یہی مروی ہے لیکن ان کے نزدیک بھی افضل یہی ہے کہ اخیر کی دو رکعتوں میں بھی قراءت کی جائے یعنی سورہ فاتحہ پڑھی جائے چونکہ حضور پاک ﷺ سے اس پر مداومت ثابت ہے۔

لیکن حضرت امام ابوحنیفہ کی ایک دوسری روایت جس کے راوی ان کے

شاگرد حسن بن زیاد ہیں یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا اخیر کی دو رکعتوں میں بھی واجب ہے، لہذا سہواً اس کے چھوٹنے پر سجدہ سہو واجب ہوگا۔ بیرسٹر احناف صاحب فتح القدیر ابن ہمامؒ نے شرح ہدایہ میں اسی کو راجح قرار دیا ہے صاحب ملتقی نے اسی بنیاد پر تسبیح اور سکوت کے اختیار کرنے کو دو رکعتوں میں مکروہ قرار دیا ہے۔

نفل کی ساری رکعتوں میں اسی طرح وتر کی تینوں رکعتوں میں قراءت ضروری ہے لہذا اگر کسی وجہ سے کسی بھی رکعت میں قراءت فوت ہو جائے تو نماز دوبارہ ادا کرنی ہوگی۔ اگر کوئی شخص نفل نماز بالقصد شروع کرنے کے بعد اس کو فاسد کر دے خواہ اس کے فاسد ہونے میں اس کے ارادے یا عمل کا دخل ہو یا نہ ہو جیسے تیمّم کرنے والے کا نماز کی حالت میں پانی کا دیکھ لینا بہرصورت اس کی قضاء واجب ہوگی اسی وجہ سے فارسی کا یہ مقولہ بہت مشہور ہے نفل بشروع واجب شود۔

نوافل کی قضاء وعدم قضاء کے احکام:

لیکن اگر بالقصد نفل کو شروع نہیں کیا بلکہ سہواً نفل شروع ہو گیا مثلاً رباعی نماز میں قعدہ اخیرہ کے بعد بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد قاعدہ اولی سمجھ کر پانچویں رکعت کے لئے کوئی شخص کھڑا ہو گیا اور پھر یاد آنے کے بعد اپنے عمل اور ارادہ سے پانچویں رکعت کو فاسد کر دیا تو اس صورت میں اس کی قضا واجب نہیں ہے چونکہ اس نے اس کو بالقصد نہیں شروع کیا تھا۔

نیز نفل کو شروع کرنے کے بعد فاسد کرنے کی وجہ سے اس کی قضاء جو ضروری ہے وہ قضاء صرف دو رکعت کی ہے چاہے اس نے نیت چار رکعت کی کیوں نہ کی ہو لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ جتنی رکعت کی اس نے نیت کی ہے فاسد کرنے کے بعد اتنی رکعتوں کی قضاء کرنی ہوگی۔

اگر کسی شخص نے چار رکعت نفل کی نیت سے نفل شروع کیا اور قعدہ اولی میں بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اس کے بعد اس نے اخیر کی دو رکعتوں کو فاسد کر دیا تو اس صورت میں وہ صرف دو رکعت کی قضاء کرے گا اس لئے کہ اس کی پہلی دو رکعتیں یعنی شفع اول بقدر تشہد قعدہ میں بیٹھنے کی وجہ سے مکمل ہو چکا ہے اور تیسری رکعت کے لئے قیام مستقل نئے تحریمہ کے ساتھ نئی دو رکعت کے قائم مقام ہے لہٰذا فساد کا اثر صرف اخیر کی دو رکعتوں پر پڑے گا اور اسی کی قضا صرف ضروری ہوگی۔

لیکن اگر بقدر تشہد قعدہ اولی میں بیٹھا نہیں اور تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور اس کے بعد اس نے اس نفل کو فاسد کیا تو بالاتفاق چار رکعت کی قضاء ضروری ہوگی۔ اور اگر چار رکعت کی نیت سے نفل شروع کیا اور دو رکعت پر بیٹھنے کے بعد تیسری رکعت شروع کرنے سے پہلے سلام پھیر کر اس نے دو رکعت مکمل کر لیا تو اس صورت میں اس کے ذمہ کچھ بھی قضا نہیں ہے اگر چہ اس صورت میں بھی حضرت امام ابو یوسف کا اختلاف ہے وہ نیت کا اعتبار کرتے ہوئے دو رکعت کی قضاء کے قائل ہیں۔

"ویصلی النافلة قاعداً مع القدرة علی القیام وإن افتتحها قائماً ثم قعد جاز عند أبی حنیفة وقالا لا یجوز إلا من عذر ومن کان خارج المصر یتنفل علی دابته إلی أی جهة توجهت یومی إیماء"۔

نوافل کی ادائیگی کے احکام:

سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ اور نوافل سوائے فجر کی سنت کے قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھنا بالاتفاق جائز ہے اور بیٹھنے کی صورت وہی پسندیدہ ہے جس ہیئت پر قعدہ میں بیٹھا جاتا ہے۔

اگر نفل نماز کو کھڑے ہوکر پڑھنا شروع کیا اور بغیر عذر کے بیچ میں بیٹھ گیا اور بیٹھ کر ہی نماز مکمل کی تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے یہاں بلاعذر بھی ایسا کرنے سے نماز ہوجائے گی اس لئے کہ نوافل میں قیام رکن نہیں ہے بخلاف حضرات صاحبین کے ان کے نزدیک اگر ایسا عذر کی بنیاد پر ہے تب تو نماز ہوجائے گی، ورنہ نہیں ہوگی، صاحب ہدایہ نے امام صاحب کے قول کو استحسان اور حضرات صاحبین کے قول کو قیاس قرار دیا ہے علامہ محبوبی اور امام نسفی وغیرہ نے حضرت امام صاحب کے قول کو مختار قرار دیا ہے۔

جو شخص آبادی سے باہر ہو جہاں سے مسافر کے لئے قصر کی اجازت ہے تو سواری پر بیٹھ کر نفل نماز اشارے سے ادا کرسکتا ہے خواہ وہ مسافر ہو یا مقیم خواہ اس کی سواری کسی بھی جہت میں جارہی ہو، لیکن شہر میں نفل نماز سواری پر بیٹھ کر جائز نہیں ہے،

نیز سواری جس طرف جا رہی ہو اس کے برعکس جہت کی طرف رخ کر کے نفل نماز درست نہیں ہے، یہی حکم ٹرین، جہاز، کشتی جیسی سواریوں کا ہے جس میں نفل نماز بیٹھ کر اشارہ سے ادا کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

مبادیات حدیث



بفضلہ تعالیٰ ایک طویل زمانہ تک حدیث پاک خصوصاً بخاری شریف، ترمذی شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ، موطا امام مالک، موطا امام محمد، مشکوۃ شریف وغیرہ کی تدریس کی سعادت حاصل رہی۔ بالخصوص ترمذی بہت اہتمام کے ساتھ پڑھانے کا معمول رہا۔ پہلے سال سے اخیر تک آغاز کتاب سے پہلے مبادیات حدیث یعنی مقدمۃ العلم اور مقدمۃ الکتاب پر تفصیل کے ساتھ پندرہ بیس روز کا درس ہوتا تھا، سیکڑوں طلباء نے ان مبادیات کو تحریراً محفوظ کیا جو ایک قیمتی اثاثہ بن گیا، بعض تلامذہ کی خواہش واصرار پر درس ترمذی کا یہ مقدمہ "مبادیات حدیث" کے نام سے شائع ہوا۔

باب سجود السهو

”سجود السهو واجب فی الزيادة والنقصان بعد السلام يسجد سجدتين ثم يتشهد ويسلم ويلزمه سجود السهو إذا زاد فی صلوته فعلا من جنسها ليس منها أو ترک فعلاً مسنوناً أو ترک قرائة فاتحة الكتاب أو القنوت أو التشهد أو تكبيرات العيدين او ُجهر الإمام فی ما يخافت أو خافت فی ما يجهر وسهو الإمام يوجب علی المؤتم السجود فإن لم يسجد الإمام لم يسجد المؤتم فإن سهیٰ المؤتم لم يلزم الإمام ولا المؤتم السجود ومن سهیٰ عن القعدة الأولی ثم تذكر وهو إلی حال القعود أقرب عاد فجلس وتشهد وإن كان إلی حال القيام أقرب لم يعد ويسجد للسهو “۔

سجدہ سہو کا طریقہ اور اس کے احکام:

سجدہ سہو کی حیثیت نماز کی کمی زیادتی کی تلافی کی ہے اسی وجہ سے حضرات فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے کہ سجدہ سہو کسی زیادتی اور نقصان کی صورت میں واجب ہے لیکن وہ زیادتی یا نقصان کس قبیل سے ہو اس کی تفصیل آگے آرہی ہے،

سجدہ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ قعدہ اخیرہ میں بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد داہنی طرف ایک سلام پھیر کر دو سجدے کرے اس کے بعد بیٹھ کر تشہد اور صحیح قول کے مطابق درود اور دعا پڑھے اس کے بعد نماز سے نکلنے کا سلام دونوں طرف پھیر دے۔

اولی یہی ہے کہ سجدہ سہو سلام پھیرنے کے بعد کرے لیکن اگر کسی نے سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کر لیا تو بھی جائز ہے۔

نیز سجدہ سہو کے لئے عام مشائخ فقہاء کے نزدیک داھنی طرف صرف ایک ہی سلام ہے صاحب بحر نے اسی کو اصح قرار دیا ہے محیط کے حوالہ سے صاحب درایہ نے مختاط قرار دیا ہے علامہ شرنبلالی نے اسی کو احسن قرار دیا ہے، لیکن صاحب ہدایہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق دو سلام کے بعد سجدۂ سہو ہے ناکارہ کے نزدیک صاحب ہدایہ کا قول راجح ہے اس لئے کہ اگر نماز کے بعد یہ معلوم ہوا کہ سجدہ سہو واجب نہیں ہوا تھا تو تاخیر واجب کی وجہ سے وہ نماز واجب الاعادہ ہوگی یا اگر احتیاطاً سجدہ سہو کر لیا گیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ سجدہ سہو واجب نہیں تھا ایسی صورت میں اگر سجدہ سہو دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد کیا گیا ہو تو نہ تو نماز واجب الاعادہ ہوگی اور نہ کوئی دوسری خرابی لازم آئے گی، اگر چہ شیخ الاسلام خواہر زادہ اور دوسرے اور فقہاء نے اصح اور احتیاط پر عمل کی تلقین کی ہے۔

موجب سجدہ سہو کی مختلف صورتیں:

سجدہ سہو جن صورتوں میں واجب ہوتا ہے فروعی طور پر جزئیات بہت ہیں

لیکن اصولی طور پر یہ یادرکھنا چاہئے کہ سجدہ سہو زیادتی یا نقصان کی صورت میں ہوتا ہے اور زیادتی سے مراد یہ ہے کہ نمازی نماز میں کسی ایسے فعل کا اضافہ کردے جو اس کے جنس سے نہ ہو مثلاً ایک رکوع کے بجائے دو رکوع کرلے تو دوسرا زائد رکوع چونکہ جنس صلاۃ سے نہیں ہے اس لئے کہ نماز میں رکوع صرف ایک ہے لہذا اس زیادتی کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوگا اس لئے کہ دوسرے رکن کی ادائیگی میں تاخیر ہوئی ہے۔

یا کسی ایسے فعل کو چھوڑ دے جو مسنون یعنی واجب ہو یعنی جس کا وجوب سنت سے ثابت ہو جیسے قعدہ اولی یا سورہ فاتحہ مکمل یا اس کا اکثر حصہ پڑھنا بھول جائے یا دعاء قنوت یا اس کی تکبیر بھول جائے یا تشہد کا پڑھنا بھول جائے یا عیدین کی تکبیر کا بعض حصہ یا کل حصہ بھول جائے یا جہری نماز میں بشرطیکہ وہ جماعت کے ساتھ ادا کی جارہی ہو سراً امام قراءت کرلے یا سری نماز میں جہراً قراءت کرلے ان ساری صورتوں میں نقصان کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوگا۔

جہری نماز میں سراً اور سری نماز میں جہراً قراءت کرنا موجب سجدہ سہو ہے بشرطیکہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جارہی ہو اگر کسی منفرد سے ایسی چوک ہوجائے تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہے۔

مقدار سر اور جہر میں البتہ حضرات فقہاء کا اختلاف ہے اصح قول کے مطابق دونوں صورتوں میں **ما تجوز به الصلاة** یعنی جتنی مقدار سے نماز درست ہوجاتی ہے مراد ہے اگرچہ صاحب مجمع الانہر نے اس باب میں مطلقاً سر اور جہر کو موجب سجدہ

سہو قرار دیا ہے خواہ کم ہو یا زیادہ اور ان کے نزدیک مفتی بہ قول یہی ہے۔

اگر کسی کمی یا زیادتی کی وجہ سے امام پر سجدہ سہو واجب ہوا تو امام کی اقتداء کی وجہ سے مقتدی پر بھی سجد سہو لازم ہوگا لیکن اگر کوئی مسبوق ہو تو سجدہ سہو میں امام کی اتباع کرے گا البتہ وہ امام کے ساتھ سلام نہ پھیرے لیکن اگر بھول سے امام سجدہ سہو نہ کرے تو مقتدی بھی یاد رہنے کے باوجود سجدہ سہو نہیں کرسکتا ہے ورنہ تو امام کی مخالفت لازم آئے گی اور اگر مقتدی پر کسی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوجائے تو اس صورت میں سجدہ سہو نہ تو مقتدی پر واجب ہوگا نہ امام پر لیکن اگر مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی نماز ادا کررہا ہو اور اس میں کسی کمی یا زیادتی کی وجہ سے اس پر سجدہ سہو لازم ہوجائے تو اس کی ادائیگی اس کے ذمہ ضروری ہوگی، اگر کوئی شخص قعدہ اولی بھول جائے اور اس کو اس وقت یاد آئے جب وہ قعود کے زیادہ قریب ہو جس کی علامت یہ ہے کہ جسم کا پچھلا حصہ تو زمین سے اٹھ گیا ہو لیکن دونوں گھٹنے ابھی نہ اٹھے ہوں تو ایسا شخص بیٹھ جائے اور تشہد پڑھ لے اور اصح قول کے مطابق اس کے ذمہ سجدہ سہو نہیں ہے اور اگر قیام کے زیادہ قریب ہو جس کی علامت یہ ہے کہ جسم کا اگلا حصہ کھڑا ہو چکا ہو صرف کمر مکمل سیدھی نہ ہوئی ہو تو ایسی صورت میں وہ قعود کی طرف واپس نہ آئے البتہ نماز مکمل کرنے کے بعد ترک واجب کی وجہ سے سجدہ سہو کرنا ضروری ہوگا، ابھی جو بات ذکر کی گئی ہے یہ حضرت امام ابو یوسفؒ کی روایت ہے اور یہی مشائخ بخاری کا مختار قول ہے لیکن ظاہر

مذہب یہ ہے کہ جب تک کمر بالکل سیدھی نہ ہوئی ہو بیٹھنے کی گنجائش ہے اور بعض حضرات نے اسی کو اصح قرار دیا ہے۔

لیکن یہ پورا حکم جو ابھی اوپر آیا ہے فرائض کے لئے ہے اگر نفل نماز میں کسی شخص کو یہ صورت پیش آجائے تو جب تک وہ تیسری رکعت کا سجدہ نہ کرے اس وقت تک قعدہ کی طرف لوٹنے کی اس کے لئے گنجائش ہے۔

"وإن سهى عن القعدة الأخيرة فقام إلى الخامسة رجع إلى القعدة ما لم يسجد والغى الخامسة وسجد للسهو وإن قيد الخامسة بسجدة بطل فرضه وتحول صلاته نفلاً وكان عليه أن يضم إليها ركعة سادسة وإن قعد في الرابعة قدر التشهد ثم قام ولم يسلم يظنها القعدة الأولى عاد إلى القعود ما لم يسجد للخامسة وسلم وسجد للسهو وإن قيد الخامسة يسجدة ضم إليها ركعة أخرى وقد تمت صلاته والركعتان نافلة له وسجد للسهو"۔

قعدۂ اخیرہ بھولنے کے احکام:

اوپر جو صورت بیان کی گئی ہے وہ قعدہ اولی بھولنے کی تھی لیکن اگر کوئی شخص قعدہ اخیرہ بھول جائے اور پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے اس وقت تک قعدہ کی طرف آنے کی گنجائش ہے اس لئے کہ یہ

واپسی اصلاح صلاۃ کے لئے ہےاور جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ ہو اس وقت تک اصلاح ممکن ہےاس صورت میں پانچویں رکعت لغو ہو جائے گی اور سجدہ سہو کے ذریعہ نماز درست ہو جائے گی اور سجدہ سہو اس لئے ہوگا چونکہ ایک واجب یعنی قعدہ میں تاخیر ہوئی ہے۔

اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو اس کی نماز کی فرضیت باطل ہو جائے گی اور حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کی نماز نفل ہو جائے گی اور اس کے ذمہ استحبابی طور پر یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک اور رکعت کو ملا کر چھ رکعت کرلے چاہے وہ عصر ہی کی نماز کیوں نہ ہو اور فجر کی نماز میں بھی ایسا کرسکتا ہے اور اگر چھٹی رکعت نہ ملائے تو گنہگار نہیں ہوگا۔ نیز سجدہ سہو بھی نفل بنانے کی صورت میں ضروری نہیں ہے۔

اور اگر چوتھی رکعت میں بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد پانچویں رکعت کے لئے اس خیال سے کھڑا ہوگیا کہ میرا یہ قعدہ اولی ہے تو جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرلے اس کے لئے قعدہ کی طرف واپس آنا مستحب ہے تا کہ بیٹھ کر وہ سلام کے ذریعہ اپنی نماز کو مکمل کرلے اس صورت میں بیٹھنے کے بعد اس کے ذمہ نہ سجدہ سہو واجب ہے اور نہ تشہد کا اعادہ۔

لیکن اگر کوئی شخص بیٹھ کر سلام پھیرنے کے بجائے کھڑے ہو کر ہی سلام پھیرلے تو بھی درست ہے، نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ ایسا شخص تارک سنت کہلائے گا

اس لئے کہ بیٹھ کر سلام پھیرنا سنت ہے۔

اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ ایک اور رکعت ملا کر چھ رکعت پوری کرلے اس صورت میں اس کی نماز مکمل ہوجائے گی چونکہ قعدہ اخیرہ وہ کر چکا ہے البتہ اخیر کی دو رکعتیں نفل ہوجائیں گی، اور تاخیر سلام کی وجہ سے سجدہ سہو کرنا پڑے گا۔

"ومن شک فی صلوته فلم یدر أثلاثاً صلی أم أربعاً وذلک أول ما عرض له استأنف الصلوة فإن کان یعرض له کثیراً بنی علی غالب ظنه إن کان له ظن وإن لم یکن له ظن یبنی علی الیقین"۔

رکعات کی تعداد میں شک کے احکام:

اگر کسی شخص کو تعداد رکعت میں تردد پیش آجائے اور اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ تین رکعت پڑھی یا چار اور یہ تردد و شک پہلی دفعہ پیش آیا ہو یعنی بلوغ کے بعد پہلی دفعہ پیش آیا ہو جیسا کہ اکثر حضرات کی یہی رائے ہے یا اس نماز میں پہلی مرتبہ پیش آیا ہو جیسا کہ فخر الاسلام اسی کے قائل ہیں اور ابن الفضل کا مختار یہی ہے یا یہ مطلب ہے کہ شک اس کی عادت نہ ہو جیسا کہ امام سرخسی اسی کے قائل ہیں اس صورت میں ایسا شخص دوبارہ نماز ادا کرے اور اگر شک کا عادی ہو بکثرت شک پیش آتا ہو تو غالب ظن پر وہ عمل کرے اس لئے کہ اس صورت میں استیناف میں حرج ہے اور اگر ظن غالب بھی اس کو حاصل نہ ہو تو

بناء علی الأ قل کرے یعنی تین اور چار میں شک ہوتو تین سمجھے اور اگر دو اور تین میں شک ہوتو دو سمجھے اس لئے کہ اس صورت میں اقل متیقن ہے اور اسی اعتبار سے قعدہ بھی کرے تا کہ فرض اور واجب کی ادائیگی اپنی محل میں ہوتی چلی جائے۔

التوسل بسید الرسل

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل یعنی دعاؤں میں آپ کو وسیلہ بنانا اور یہ کہنا کہ اے اللہ میری دعاؤں کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ طفیل میں قبول فرما۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو آیات و روایات آثار و تعامل صحابہ سے ثابت ہے اور جس کے جواز پر اہل سنت و الجماعت کا اتفاق ہے، لیکن ابن تیمیہ اور ان کے مقلدین و متبعین اور سلفی حضرات اس کے عدم جواز کے قائل ہیں جس کی تبلیغ و ترویج کی کوشش بھی ان کی طرف سے کی جاتی رہی ہے۔ یہ کتاب توسل کے جواز پر آیات و روایات، آثار و تعامل صحابہ اور تصریحات اکابرین



سے مزین ایک جامع تصنیف ہے جو حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے حکم پر اس خادم نے کئی مہینوں کی عرق ریزی کے بعد لکھی، اور شائع ہو کر اکابر علماء کے ہاتھوں میں پہونچی اور جس نے بھی دیکھا اس نے کتاب کی تحسین اور خادم کی پذیرائی کی۔

باب صلوة المريض

”إذا تعذر على المريض القيام صلى قاعداً يركع ويسجد فإن لم يستطع الركوع والسجود يومى إيماء وجعل السجود اخفض من الركوع ولا يرفع إلى وجهه شيئاً يسجد عليه فإن لم يستطع القعود استلقى على قفاه وجعل رجليه إلى القبلة ويؤمى بالركوع والسجود وإن اضطجع على جنبه ووجهه إلى القبلة و اومى جاز فإن لم يستطع الإيماء برأسه أخر الصلاة ولا يومى بعينيه ولا بحاجبيه ولا بقلبه“۔

مریض کی نماز کے احکام:

جب مریض کے لئے قیام متعذر ہوجائے بایں طور کہ اگر وہ کھڑا ہوتو گر جائے، یا کھڑے ہونے میں شدید تکلیف ہواور اگر تھوڑی سی مشقت کے ساتھ کھڑا ہوسکتا ہوتو کھڑا ہونا ہی پڑے گا اور اگر پورے قیام پر قادر نہ ہوتو جتنا کھڑا ہوسکتا ہو اتنا کھڑا ہونا ضروری ہے حتی کہ کوئی صرف بقدر تحریمہ کھڑا ہونے پر قادر ہوتو تحریمہ کھڑا ہوکر کہے اس کے بعد بیٹھ جائے اسی طرح اگر دیوار کے سہارے یا کسی چیز سے

ٹیک لگا کر کھڑا ہوسکتا ہو تب بھی کھڑا ہونا ضروری ہے الحاصل قیام نماز کے ان ارکان میں سے ہے جن کو پورا کرنے کی حتی الامکان کوشش کرنی چاہئے آخری درجہ میں دفعاً للحرج ترک قیام کی اجازت ہے الحاصل جب مریض کے لئے کھڑا ہونا دشوار ہو جائے تو جس طرح بآسانی بیٹھ سکتا ہو وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے اور رکوع وسجود کرنے پر قدرت ہو تو رکوع وسجدہ اپنی ہیئت پر کرے اگر رکوع وسجدہ کرنے پر قدرت نہ ہو یا ان دونوں میں سے صرف ایک پر قادر نہ ہو تو اس رکن کو صرف اشارے سے ادا کرے البتہ سجدہ کا اشارہ رکوع کے اشارہ سے پست ہونا چاہئے تاکہ رکوع اور سجدہ کے اشارہ میں فرق ہو جائے اگر دونوں اشارے برابر ہوئے تو سجدہ صحیح نہیں ہوگا ویسے اشارہ کی حقیقت صرف سر کو جھکانا ہے بدن کے پچھلے حصہ کا اٹھانا ضروری نہیں ہے بعض لوگ جسم کے پچھلے حصہ کو اٹھانا اور سر کو گھٹنوں کے برابر کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں یہ غلط ہے (کذافی البحر)۔

ایسا شخص جو رکوع اور سجدہ پر قادر نہ ہو وہ اشارے سے رکوع اور سجدہ کرے ایسا شخص اگر کسی چیز کو اٹھا کر اپنے چہرے سے قریب کرکے اس پر سجدہ کرے تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔

اگر کوئی شخص بیٹھنے پر بھی قادر نہ ہو تو وہ لیٹ جائے اور اپنے دونوں پاؤں کو قبلہ کی طرف کرلے اور اپنے دونوں گھٹنوں کو کھڑا کرلے اور رکوع اور سجدہ کا اشارہ سر سے کرے اس طرح اشارہ سے اپنی نماز مکمل کرے۔ اگر چت لیٹنا ممکن نہ ہو تو دائیں

یا بائیں پہلو پر لیٹ جائے اور چہرہ قبلہ کی طرف کرے اور سر کے اشارہ سے نماز مکمل کرے یہ ذہن میں رہے کہ چت لیٹنا پہلو پر لیٹنے کے مقابلہ میں اولی ہے اور داہنے پہلو پر لیٹنا بائیں پہلو پر لیٹنے کے مقابلہ میں اولی ہے۔

اگر اشارہ سے بھی نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو نماز کو مؤخر کردے آنکھ یا بھوں یا دل سے اشارہ کے ذریعہ نماز ادا نہ کرے اس لئے کہ اس کا اعتبار نہیں ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ صرف اسی صورت میں تاخیر نماز کی اجازت ہے جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس حال میں بھی نماز کی فرضیت اس سے ساقط نہیں ہوگی اس کی قضاء صحت کے بعد لازمی ہے چاہے نمازوں کی تعداد کتنی ہی ہو جائے صاحب ہدایہ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے لیکن صاحب بدائع وقاضی خان نے فوائت کی زیادتی کی صورت میں عدم وجوب قضاء والے قول کو صحیح قرار دیا ہے، خلاصۃ الفتاوی نے اس صورت میں مبتلا بہ کو مختار قرار دیا ہے اس کو اختیار ہے کہ چاہے قضا کرے یا نہ کرے اور اسی قول کو صاحب ظہیریہ نے ظاہر الروایہ اور مفتی بہ قول قرار دیا ہے فتاوی ولوالجیہ میں اسی پر جزم کیا ہے مختارات النوازل میں اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے صاحب تاتارخانیہ نے بھی اس صورت میں سقوط قضاء کے قول کو اختیار کیا ہے۔

"فإن قدر على القيام ولم يقدر على الركوع والسجود لم يلزمه القيام وجاز أن يصلي قاعداً يؤمي إيماءً فإن صلى الصحيح بعض صلوته قائماً ثم حدث به مرض أتمها قاعداً يركع ويسجد و

يؤمي إيماءً إن لم يستطع الركوع والسجود أو مستلقياً إن لم يستطع القعود و من صلى قاعداً يركع ويسجد لمرض ثم صح بنىٰ على صلوته قائماً فإن صلى بعض صلاته بإيماء ثم قدر على الركوع والسجود استأنف الصلوة ومن أغمي عليه خمس صلوة فما دونها قضاها إذا صح و ان فاتت بالإغماء أكثر من ذلك لم يقض"۔

مریض کے دیگر بعض احکام:

اگر مریض قیام پر قادر ہولیکن رکوع اور سجدہ پر قادر نہ ہوتو ایسے مریض کے لئے قیام لازم نہیں ہے اس لئے کہ قیام کی رکنیت رکوع اور سجدہ کے لئے تابع کی حیثیت سے ہے اور جب وہ رکوع اور سجدہ پر قادر نہیں ہے اس صورت میں قیام کی رکنیت اس سے ساقط ہو جائے گی اور اس کے لئے بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا جائز ہے۔

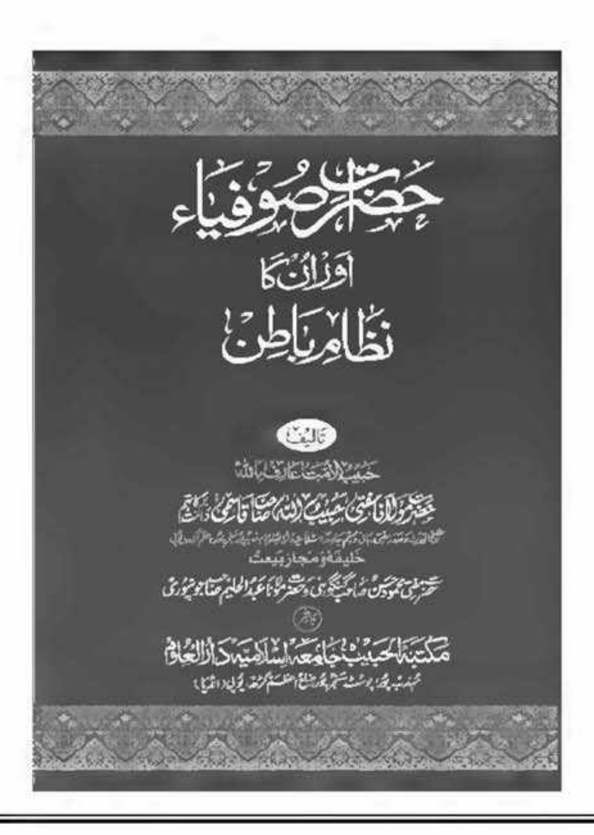
اگر کوئی شخص تندرستی کی حالت میں نماز شروع کرے اور قیام اور رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز کے کچھ حصہ کو ادا کرنے کے بعد اس پر ایسی بیماری نماز کی حالت میں لاحق ہو جائے کہ وہ قیام پر قادر نہ ہوتو ایسا شخص بیٹھ کر نماز مکمل کرسکتا ہے اور اگر بیٹھ کر رکوع اور سجدہ پر قدرت نہ ہوتو اشارہ سے رکوع اور سجدہ کرے اور اگر بیٹھنے کی بھی طاقت نہ ہوتو لیٹ کر اشارہ سے نماز ادا کرلے۔

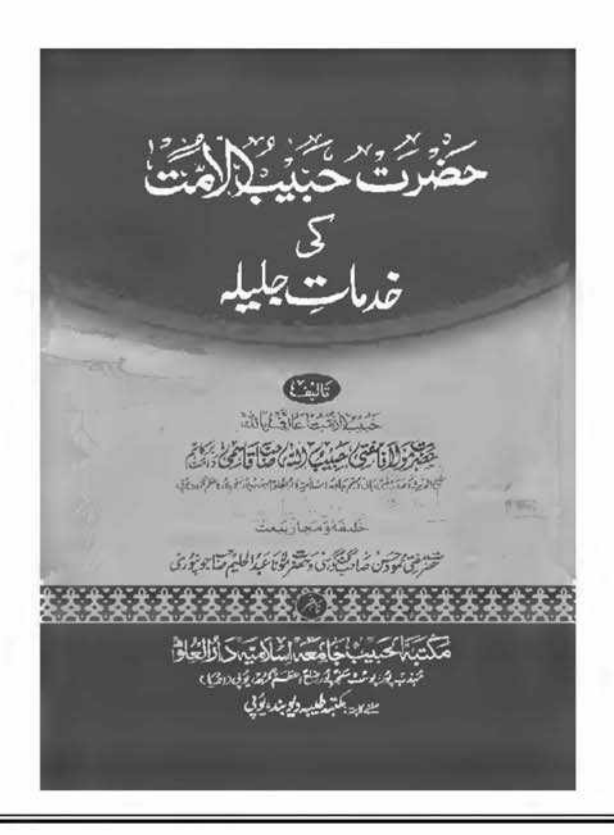
اگر کوئی شخص کسی بیماری یا عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز ادا کر رہا ہو اور دوران

صلوۃ اس کو ایسی صحت مل جائے کہ وہ قیام پر قادر ہو جائے تو کھڑے ہو کر بقیہ نماز کی وہ بناء یعنی تکمیل کرے۔

اور اگر کسی شخص نے نماز کا کچھ حصہ اشارہ سے ادا کیا پھر اثناء صلوۃ رکوع اور سجدہ پر قادر ہو گیا تو ایسا شخص اپنی نماز کا استیناف کرے یعنی ازسرنو اس کو پوری نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی۔

اگر کوئی شخص بیہوش ہو جائے یا جنون لاحق ہو جائے اگر یہ بے ہوشی اور جنون پانچ نماز یا اس سے کم ہو تو صحت مند ہونے کے بعد ان فوت شدہ نمازوں کی قضاء ضروری ہے اور اگر یہ عارضہ پانچ نماز سے زیادہ تک باقی رہا ہو بایں طور کہ چھٹی نماز کا بھی وقت نکل گیا ہو تو اس صورت میں فوت شدہ نمازوں کی قضا نہیں ہے اس لئے کہ اس میں حرج ہے اور والحرج مدفوع حرج اور تنگی کو شریعت نے اٹھالیا ہے۔





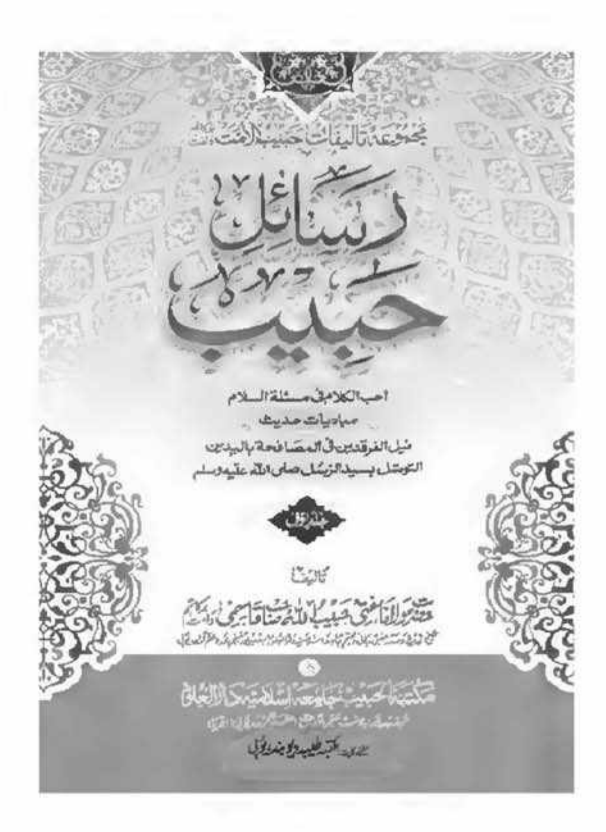
رسائل حبیب

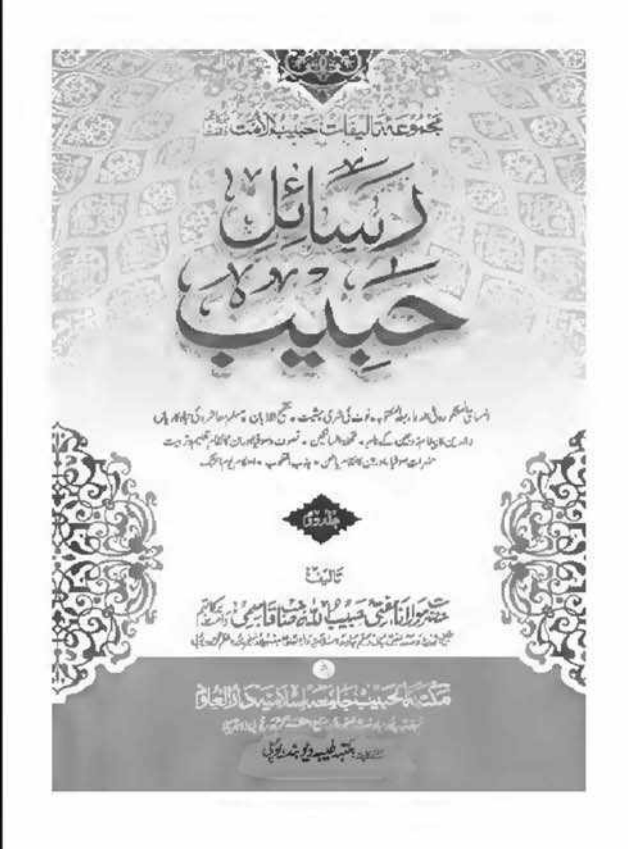
(جلداول ودوم)

مختلف ادوار ومختلف امکنہ میں حسب ضرورت وحسب خواہش وحسب تعمیل حکم اکابرین مختلف نام کے رسائل وکتابیں وجود میں آتی رہیں اور شائع ہوکر عوام وخواص کے ہاتھوں میں پہنچ کرنایاب ونایافت ہوتی گئیں۔

جس کی وجہ سے اس خادم کے احباب ورفقاء، محبین وتلامذہ، منتسبین وخلفاء نے اس کی ضرورت شدت سے محسوس کی کہ مختلف رسائل کوایک مجموعہ کی شکل ''رسائل حبیب'' کے نام سے دے کراس کوشائع کردیا جائے، تاکہ اس کی حفاظت وصیانت میں مدد مل سکے۔

چنانچہ انھیں وجوہ کے پیش نظر رسائل حبیب (جلداول ودوم) منصۂ شہود پرآئی۔





باب سجود التلاوة

”فی القرآن أربعة عشر سجدة فی آخر الأعراف وفی الرعد وفی النحل وفی بنی إسرائیل ومریم والأولی فی الحج والفرقان والنمل والم تنزیل وص وحم السجده والنجم والانشقاق والعلق“۔

سجدۂ تلاوت کے مقامات:

قرآن پاک میں کل چودہ آیتیں وہ ہیں جن کی تلاوت کے بعد سجدۂ تلاوت ضروری ہے خواہ اسی وقت سجدہ کرلیا جائے یا بعد میں، لیکن اگر نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کی گئی ہے تو سجدہ تلاوت کی ادائیگی نماز ہی میں ضروری ہے باقی مسائل کی تفصیل آگے آرہی ہے، سجدہ تلاوت کی آیتیں درج ذیل سورتوں میں ہیں جن سے حفاظ قرآن بھی واقف ہیں۔(۱) سورہ اعراف، (۲) سورہ رعد، (۳) سورہ نحل، (۴) سورہ بنی اسرائیل، (۵) سورہ مریم، (۶) سورہ حج کا پہلا سجدہ، (۷) سورہ فرقان، (۸) سورہ نمل، (۹) الم تنزیل، (۱۰) سورہ ص، (۱۱) حم السجدہ، (۱۲) سورہ نجم، (۱۳) سورہ انشقاق، (۱۴) سورہ علق۔

”والسجود واجب فی هذه المواضع علی التالی والسامع سواء

قصد سماع القرآن أولم يقصد فإذا تلا الإمام آية السجدة سجدها وسجد المأموم معه فإن تلى المأموم لم يلزم الإمام ولا المأموم السجود وإن سمعوا وهم فى الصلوة آية سجدة من رجل ليس معهم فى الصلوة لم يسجدوها فى الصلوة وسجدوها بعد الصلوة فإن سجدواها فى الصلوة لم تجزأهم ولم تفسد صلوتهم ومن تلى آية سجدة خارج الصلوة ولم يسجدها حتى دخل فى الصلوة فتلاها وسجد لها أجزأت السجدة عن التلاوتين وإن تلاها فى غير الصلوة فسجدها ثم دخل فى الصلوة فتلاها سجدها ثانياً ولم تجزأه السجدة الأولى ومن كرر تلاوة سجدة واحدة فى مجلس واحد أجزأته سجدة واحدة"۔

سجدۂ تلاوت کے احکام:

سجدہ تلاوت مذکورہ بالا سورتوں کی آیت سجدہ پر تلاوت کرنے والے اور سننے والے دونوں کے ذمہ ہے بشرطیکہ وجوب کی اہلیت رکھتے ہوں اور بشرطیکہ نماز کی حالت میں نہ ہوں علی التراخی واجب ہے خواہ آیت سجدہ کو سننے کا اس نے ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو بشرطیکہ جس سے آیت سجدہ سنا گیا ہے وہ انسان ہو عاقل ہو بیدار ہو خواہ جنبی ہو یا حائضہ ہو یا کافر ہو یا بچہ ہو لہذا اگر کسی پرندہ سے آیت سجدہ کو سنا یا فضا میں صدائے بازگشت کے ذریعہ آواز آئی تو اس پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے اگر کسی سونے والے

سے سونے کی حالت میں یا بے ہوش سے بے ہوشی کی حالت میں یا مجنون سے جنون کی حالت میں کسی شخص نے آیت سجدہ کو سنا تو اصح قول کے مطابق سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے اگر کوئی شخص سونے کی وجہ سے یا کسی اہم کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے آیت سجدہ کو نہیں سن سکا تو اصح قول کے مطابق اس پر بھی سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے اگر امام نے آیت سجدہ کی تلاوت کی اور اس کا سجدہ اس نے کیا تو مقتدی کے لئے یہ ضروری ہے کہ امام کے ساتھ اس کی اقتداء میں سجدہ تلاوت کرے۔

اور اگر مقتدی نے نماز کی حالت میں آیت سجدہ کی تلاوت کی تو نہ مقتدی کے ذمہ سجدہ تلاوت واجب ہے نہ امام کے ذمہ نہ نماز کی حالت میں نہ نماز ختم کرنے کے بعد۔

اور اگر امام اور مقتدی نے آیت سجدہ کسی ایسے شخص سے سنا جو ان کے ساتھ اس نماز میں شریک نہیں ہے تو اس نماز میں سجدہ تلاوت نہ کرے بلکہ نماز کے بعد سجدہ تلاوت کرے اگر نماز میں سجدہ تلاوت کرلیا تو یہ سجدہ کافی نہیں ہوگا بعد نماز اس کا اعادہ واجب ہوگا البتہ اس کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوگی اگر کسی شخص نے نماز کے باہر آیت سجدہ کی تلاوت کی اور سجدہ تلاوت نہیں کیا یہاں تک کہ اسی مجلس میں کھڑا ہو کر اس نے نماز شروع کردی اور اسی آیت سجدہ کی دوبارہ نماز میں تلاوت کی اور نماز کی حالت میں اس نے سجدہ تلاوت کیا تو اتحاد مجلس کی وجہ سے نماز میں کیا ہوا سجدہ تلاوت خارج نماز سجدہ تلاوت کی طرف سے بھی کافی ہوجائے گا۔

اور اگر کسی شخص نے خارج صلوۃ کسی آیت سجدہ کی تلاوت کی اور سجدہ تلاوت

کیا اور پھر اس نے نماز شروع کر دی خواہ اسی مجلس میں کھڑے ہو کر یا جگہ بدل کر یا پھر اسی آیت سجدہ کو نماز میں پڑھا تو دوسرا سجدہ اس کے ذمہ لازم ہو جائے گا نماز سے پہلے کیا ہوا سجدہ اس کے لئے کافی نہیں ہوگا۔

اگر کسی شخص نے آیت تلاوت کو ایک ہی مجلس میں کئی مرتبہ تلاوت کیا تو ان سب کی طرف سے تداخل کی بنیاد پر دفعاً للحرج ایک ہی سجدہ کافی ہوگا بشرطیکہ آیت اور مجلس ایک ہو۔

"ومن أراد السجود كبر ولم يرفع يديه وسجد ثم كبر ورفع رأسه ولا تشهد عليه ولا سلام"۔

سجدۂ تلاوت کا طریقہ:

سجدہ تلاوت کا طریقہ یہ ہے کہ تکبیر کہے جس میں اپنے ہاتھوں کو کانوں تک نہ اٹھائے اور سجدہ میں چلا جائے پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ سے سر اٹھائے یہ دونوں تکبیریں سنت ہیں اس طرح سجدہ تلاوت کی ادائیگی ہو جائے گی اور سجدہ میں سجدہ کی تسبیح پڑھنا نہ بھولے البتہ سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد تشہد اور سلام کی ضرورت نہیں ہے۔

☆☆☆

باب صلاة المسافر

"السفر الذی تتغیر به الأحکام هو أن یقصد الإنسان موضعاً بینه وبین ذلک الموضع مسیرة ثلاثة أیام ولیالیها بسیر الإبل ومشی الأقدام ولا معتبر فی ذلک بالسیر فی الماء"۔

سفر کے احکام:

وہ سفر جس سے احکام متاثر ہوتے ہیں مثلاً رباعی نمازوں میں قصر روزے کی حالت میں افطار کا مباح ہونا خفین پر مسح کی مدت کا ایک دن سے تین دن ہوجانا جمعہ اورعیدین اور قربانی کا ساقط ہوجانا اور عورت کا بغیر محرم کے نہ نکلنا اس سے مراد ایسی جگہ کا سفر ہے کہ اس کے مقام اور اس منزل کے درمیان کی مسافت تین دن اور تین رات میں پوری ہوتی ہو خواہ یہ اونٹ کی سواری سے ہو یا پیدل ہو نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ صبح سے شام تک مسلسل مسافر چلتا رہے بلکہ صرف زوال تک چلنے کا اعتبار ہے لہذا صبح سویرے نکلنے کے بعد زوال تک چل کر کسی مقام پر رک جائے اور وہاں آرام کر کے رات گذار کر کل ہو کر پھر صبح سویرے سفر کرے اس طرح تین دن کا سفر کسی شخص نے کیا تو وہ مسافر شرعی کہلائے گا۔

لیکن اگر کوئی شخص تین دن کی مسافت کے ارادے سے نہ نکلے بلکہ بغیر ارادے کے پوری دنیا کا چکر لگاتا رہے تو وہ شرعی مسافر نہیں کہلائے گا تین دن کی قید یہ صرف تحدید کے لئے ہے لہذا اگر کسی شخص نے اس مسافت کو دو دن یا اس سے کم میں پورا کرلیا تو وہ مسافر شرعی کہلائے گا اس زمانہ میں اس کی مقدار (۷۷) کلومیٹر ہے لہذا جو شخص ۷۷ کلومیٹر یا اس سے زائد سفر کے ارادے سے گھر سے نکلے تو وہ مسافر شرعی کہلائے گا لیکن اس سیر میں پانی میں چلنے کا اعتبار نہیں بلکہ اعتبار ہر جگہ میں اس کے حال کے مطابق چلنے کا ہے لہذا اگر کسی جگہ کے دو راستے ہوں ایک بری دوسرا بحری اور وہاں تک پہنچنا خشکی کے راستہ سے تین دن میں ممکن ہو اور سمندر کے راستہ سے اگر ہوا موافق ہو تو اس جگہ تک دو دن میں پہنچا جا سکتا ہو تو اس صورت میں خشکی کے راستے سے جانے والا مسافر شرعی کہلائے گا اور پانی کے راستہ سے جانے والا مسافر شرعی نہیں کہلائے گا اسی طرح پہاڑ کے راستہ پر جو مکمل چڑھائی کا راستہ ہے اس میں بھی اعتبار تین دن کا ہی ہے لہذا اگر کوئی شخص اس تین دن والے پہاڑی سفر کو اس سے کم مدت میں پورا کرلے تو وہ مسافر شرعی نہیں کہلائے گا۔

"وفرض المسافر عندنا فی کل صلوة رباعية رکعتان ولا تجوز له الزيادة عليهما فإن صلی أربعاً وقد قعد فی الثانية مقدار التشهد أجزأته الركعتان عن فرضه وكانت الأخريان نافلة وإن لم يقعد فی الثانية مقدار التشهد فی الرکعتین الاولیین بطلت صلوته"۔

مسافر کی نماز کے احکام:

اور مسافر کے لئے رباعی نمازیں مثلاً ظہر، عصر، عشاء حنفیہ کے نزدیک دو رکعت ہیں اور یہ کنشیشن ایسا ہے کہ جس کو قبول کرنا ضروری ہے اگر کسی شخص نے اس پر اضافہ کیا تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے اس لئے کہ قصر واجب ہے اور اگر یہ واجب سہواً چھوٹ جائے تو سجدہ سہو کے ذریعہ تلافی ممکن ہے۔ مثلاً اگر کسی مسافر نے قصر نماز کو مکمل پڑھ لیا لیکن بقدر تشہد قعدہ میں بیٹھنے کے بعد چار رکعت مکمل کیا تو اس شحص کی پہلی دو رکعتیں فرض ہو جائیں گی اور اخیر کی دو رکعتیں نفل بن جائیں گی لیکن ایسا شخص گنہگار ہوگا اور اگر بقدر تشہد نہیں بیٹھا تو پوری نماز باطل ہو جائے گی اس کو فرض دوبارہ ادا کرنا ہوگا چونکہ فرض مکمل کرنے سے پہلے اس کے ساتھ اس نے نفل کو مخلوط کر لیا ہے۔

وتر اور نوافل اسی طرح مغرب اور فجر کی نماز میں کوئی قصر نہیں ہے البتہ سنن کے سلسلہ میں مختار قول یہ ہے کہ اگر اطمینان اور سکون کی جگہ ہو تو سنن رواتب قبلیہ اور بعدیہ کو ادا کرنا چاہئے اور اگر جلد بازی ہو اطمینان اور سکون کی جگہ نہ ہو تو سنتوں کو ادا نہ کرے۔

'ومن خرج مسافراً صلى ركعتين إذا فارق بيوت المصر ولا يزال على حكم السفر حتى ينوى الإقامة فى بلد خمسة عشر يوماً فصاعداً فيلزمه الإتمام فإن نوى الإقامة أقل من ذلك لم يتم ومن دخل بلداً ولم ينو أن يقيم فيه خمسة عشر يوماً وإنما يقول غداً

أخرج أو بعد غدٍ أخرج حتی بقی علی ذلک سنین صلی رکعتین وإذا دخل العسکر فی ارض الحرب فنوی الإقامة خمسة عشر یوماً لم یتم الصلوة"۔

مسافر کی اقامت کب معتبر ہوگی؟

جب کوئی شخص ۷۷ کیلومیٹر یا اس سے زیادہ کے ارادے سے نکلے اور وہ شہر کی آبادی سے باہر ہو جائے جس طرف سے وہ نکل رہا ہے تو وہ رباعی نمازیں دو رکعت ادا کرے اور یہ مسافر جب تک کسی مقام پر پہنچ کر پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت نہیں کرے گا اس وقت تک یہ قصر کرتا رہے گا اور اگر اس سے کم مدت قیام کی نیت ہو تو اتمام کے بجائے قصر کرے گا اقامت کی نیت خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً شرعاً دونوں کا اعتبار ہے۔

اور اگر کسی شخص نے پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کی لیکن ایک شہر کے بجائے دو یا اس سے زیادہ شہروں میں تو اس صورت میں اس کی اقامت کی نیت معتبر نہیں ہوگی بلکہ وہ مسافر ہی رہے گا۔

اگر کوئی شخص کسی شہر میں آیا اور وہاں اس نے پندرہ دن یا اس سے زائد ٹھہرنے کی نیت نہیں کی بلکہ یہ نیت رہی کہ میں ایک دو دن میں چلا جاؤں گا اور اسی

حال میں وہ چند سال اسی شہر میں رہ گیا تو ایسا شخص مقیم نہیں کہلائے گا بلکہ مسافر شرعی ہونے کی وجہ سے قصر کرے گا۔

اگر کوئی فوج دار الحرب میں داخل ہو اور وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلے پھر بھی وہ مسافر ہی ہوں گے مقیم نہیں اس لئے کہ وہ دو دن میں بھی جنگ جیت گئے تو وہ واپس جاسکتے ہیں لہذا ان کی نیت کا اعتبار نہیں۔

"وإذا دخل المسافر فی صلوة المقیم مع بقاء الوقت أتم الصلوة وإن دخل معه فی فائتة لم تجز صلوته خلفه وإذا صلی المسافر بالمقیمین صلی رکعتین وسلم ثم أتم المقیمون صلوتهم ویستحب لهم إذا سلم أن یقول لهم أتموا صلوتکم فإنا قوم سفر وإذا دخل المسافر مصره أتم الصلاة وإن لم ینو الإقامة فیه"۔

مسافر کا مقیم امام کی اقتداء میں نماز کا حکم:

اگر مسافر نے وقت رہتے ہوئے مقیم کی اقتدا میں رباعی نماز ادا کی تو وہ پوری چار رکعت ادا کرے اس لئے کہ امام کی متابعت کی وجہ سے اس کی دو والی نماز چار بن گئی اور اگر مسافر نے اپنی فوت شدہ نماز کسی مقیم امام کی اقتدا میں ادا کی تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی اس لئے کہ فرضیت وقت نکلنے کے بعد متغیر نہیں ہوتی لہذا وہ دو کی دو ہی رہے گی چار نہیں بن سکتی۔

مسافر اگر مقیم کا امام بن جائے تو کیا کرے؟

اور اگر مسافر مقیم حضرات کا امام بن جائے تو مسافر امام کے لئے دو رکعت پر سلام پھیرنا ضروری ہے امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقیم حضرات اپنی بقیہ دو رکعت بحیثیت منفرد پوری کریں البتہ اصح قول کے مطابق مقتدی حضرات جن رکعتوں کی قضاء کریں اس میں قراءت نہ کریں اس لئے کہ یہ لاحق کے حکم میں ہیں امام کے لئے مستحب ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد یہ اعلان کرے کہ مقیم حضرات اپنی نمازیں پوری کرلیں اس لئے کہ میں مسافر ہوں لیکن بہتر یہ ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے ہی اس کا اعلان کردیا جائے اور جب مسافر اپنے شہر میں واپس آجائے تو خواہ آنے کے بعد اقامت کی نیت کرے یا نہ کرے بہر صورت وہ مقیم ہوجائے گا اور رباعی نمازوں کا اتمام ضروری ہوگا، مثلاً کسی ضرورت سے مجبوراً چند گھنٹوں کے لئے کسی مسافر کو گھر آنا پڑے تو گھر آتے ہی وہ مقیم بن جائے گا اور نکلنے پر اس کا نیا سفر شروع ہوگا۔

"ومن كان له وطن فانتقل عنه واستوطن غيره ثم سافر فدخل وطنه الأول لم يتم الصلاة وإن نوى المسافر أن يقيم بمكة ومنى خمسة عشر يوماً لم يتم الصلوة ومن فاتته صلوة فى السفر قضاها فى الحضر ركعتين ومن فاتته صلوة فى الحضر قضاها فى السفر أربعاً والعاصى والمطيع فى السفر فى الرخصة سواء"۔

وطن اصلی اور وطن اقامت کے احکام:

اگر کسی شخص کا کوئی وطن اصلی ہو پھر وہ اس وطن سے اپنے پورے اہل وعیال کے ساتھ دوسری جگہ منتقل ہو جائے پھر وہاں سے سفر کر کے وطن اول جہاں سے وہ منتقل ہو چکا ہے آنا ہو تو وطن اول میں وہ مسافر رہے گا جب تک کہ وہاں اقامت کی نیت نہ کرے اس لئے کہ وہ وہاں سے اہل وعیال کے ساتھ منتقل ہونے کی وجہ سے اب اس کا وہ وطن باقی نہیں رہا۔

اور اس سلسلہ میں ضابطہ کی بات یہ ہے کہ وطن اصلی وطن اصلی سے باطل ہو جاتا ہے وطن اقامت وطن اقامت اور سفر سے باطل ہو جاتا ہے، اور وطن اصلی دو ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہاں اہل وعیال ہوں لیکن جب کسی جگہ سے کوئی شخص اہل وعیال کے ساتھ مکمل منتقل ہو جائے تو اس کے حق میں پہلے وطن کی وطنیت باطل ہو جاتی ہے۔

اور اگر کوئی مسافر پندرہ دن مکہ اور منی ملا کر ٹھہرنے کی نیت کرے تو مسافر ہی رہے گا مقیم نہیں ہوگا الا یہ کہ رات گذارنے کے لئے کسی ایک جگہ کو متعین کر دے اور رات وہیں پر گذارے تب ایسی صورت میں وہ مقیم کہلائے گا اس لئے کہ اقامت میں اصل اعتبار مبیت کا ہے۔

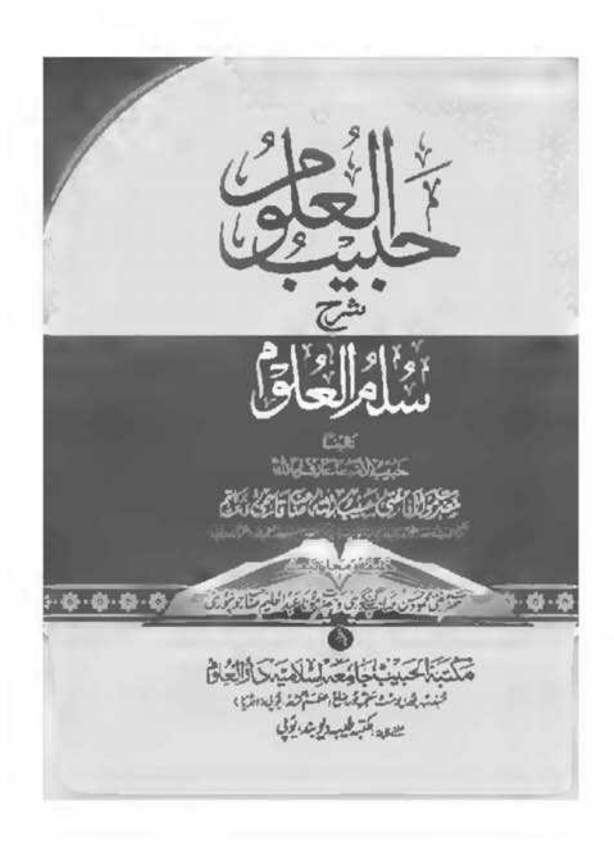
لیکن یہ ماضی کی بات ہے عصر حاضر میں چونکہ مکہ کی آبادی منی تک پہنچ گئی ہے اور دونوں موضع واحد کے حکم میں ہو چکے ہیں اس لئے اس زمانہ میں اگر کوئی شخص

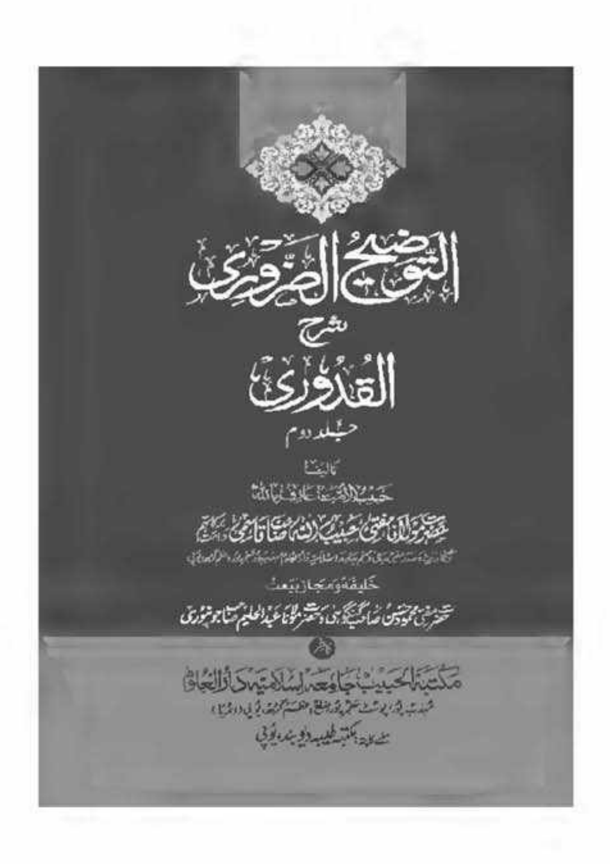
مکہ اور منی ملا کر پندرہ دن اقامت کی نیت کرے تو وہ مقیم کہلائے گا مسافرنہیں۔

سفراور حضر کی فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی کا طریقہ:

سفر کی فوت شدہ نمازیں حضر میں دو ہی رکعتیں پڑھی جائیں گی اور حضر کی فوت شدہ رباعی نمازوں کی قضاء سفر میں چار رکعت کرنی ہوگی اور سفر کی رخصت کے سلسلہ میں عاصی اور مطیع دونوں برابر ہیں لہذا قصر کی سہولت جس طرح مطیع کو حاصل ہے اسی طرح عاصی کو بھی اس لئے کہ نص اس سلسلہ میں مطلق ہے لہذا اس کے اطلاق کا فائدہ دونوں حاصل کر سکتے ہیں۔







باب صلاة الجمعة

”لا تصح الجمعة إلا فی مصر جامع أو فی مصلی المصر ولا تجوز فی القری ولا تجوز إقامتها إلا للسلطان أو لمن أمره السلطان ومن شرائطها الوقت فتصح فی وقت الظهر ولا تصح بعده، ومن شرائطها الخطبة قبل الصلاة ویخطب الإمام خطبتین یفصل بینهما بقعدة ویخطب قائماً علی الطهارة فإن اقتصر علی ذکر الله تعالی جاز عند أبی حنیفة وقالا لابد من ذکر طویل یسمی خطبة فإن خطب قاعداً أو علی غیر طهارة جاز ویکره، ومن شرائطها الجماعة وأقلهم عند أبی حنیفة ثلاثة سوی الإمام وقالا اثنان سوی الإمام ویجهر الإمام بقرائته فی الرکعتین ولیس فیهما قرائة سورة بعینها“۔

جمعہ کے احکام:

جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے مصر یا فنائے مصر ہونا ضروری ہے اس لئے کہ فناء مصر بھی مصر کے توابع میں سے ہے لہذا جس طرح اہل مصر پر جمعہ فرض ہے وہی حکم اس کے توابع کا بھی ہے، حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مصر سے مراد ہر وہ جگہ ہے

جہاں امیر ہو قاضی ہو جو احکام کو نافذ کر سکتا ہو اور حدود کو قائم کر سکتا ہو دوسرا قول یہ ہے کہ مصر سے مراد ہر وہ جگہ ہے کہ جہاں کی سب سے بڑی مسجد میں اس آبادی کے تمام لوگ جمع ہو جائیں تو مسجد ان کے لئے ناکافی ہو جائے امام کرخی نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے اور اسی کو ظاہر الروایہ قرار دیا ہے اور امام ثلجی نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے۔

توابع مصر کا اطلاق کن جگہوں پر ہوتا ہے:

اس میں البتہ اختلاف ضرور ہے کہ توابع مصر کا اطلاق کن جگہوں پر ہوگا حضرت امام ابو یوسف کے بقول جمعہ کی اذان جہاں تک سنائی دیتی ہو وہ توابع مصر میں داخل ہے اور انہی کا دوسرا قول یہ ہے کہ ہر وہ آبادی جو فناء مصر سے متصل ہو وہ بھی توابع مصر میں سے ہے حاصل کلام یہ ہے کہ جمعہ مصر میں اور توابع مصر میں اور قصبات میں جائز ہے۔

قریہ کبیرہ کی تعریف:

قریہ کبیرہ کی تعریف حضرت امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ قریہ کبیرہ ہر اس آبادی کو کہتے ہیں جس میں گلی کوچے ہوں روز مرہ کی ضروریات کی ساری چیزیں مل جاتی ہوں علاقہ میں اس کو بڑا گاؤں سمجھا جاتا ہو اور اس آبادی میں صاحب اقتدار اس حیثیت کا ہو جو مظلوم کا حق ظالم سے دلا سکتا ہو اور دوسری بنیادی اور اہم چیزیں وہاں موجود ہوں جہاں یہ شرائط نہ پائے جاتے ہوں اس کو اصطلاح فقہاء میں قریہ صغیرہ

(چھوٹا گاؤں) کہتے ہیں اور چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے لہٰذا حسب معمول روزانہ کی طرح اس آبادی والوں کو ظہر کی نماز ادا کرنی ہوگی۔

شرائط جمعہ کا بیان:

جمعہ کے کچھ شرائط ہیں ان شرائط میں سے پہلی شرط اقامت جمعہ کے لئے سلطان یا اس کے نائب کا ہونا ضروری ہے چونکہ جمعہ کی نماز کے لئے ایک بڑا مجمع جمع ہوتا ہے امامت کے مسئلہ کو لے کر یا دوسرے مسائل کی وجہ سے آپس میں اختلافات یا نزاع بھی پیدا ہوسکتا ہے اور سلطان یا اس کے نائب کی موجودگی میں اولاتو اس کی نوبت نہیں آئے گی اور اگر کوئی مسئلہ پیدا ہو گیا تو اس کا نپٹارہ آسانی کے ساتھ ہوسکتا ہے جن ملکوں میں اسلامی حکومت نہیں ہے وہاں عامۃ المسلمین کے اتفاق رائے سے امام منتخب کیا جاسکتا ہے اور اس کے ذریعہ جمعہ اور جماعت کو قائم کیا جاسکتا ہے۔

جمعہ کے شرائط میں سے دوسری شرط ظہر کا وقت ہونا ہے لہذا اگر کسی وجہ سے ظہر کا وقت نکل گیا تو ظہر کی نماز ادا کرنی ہوگی جمعہ کی ادائیگی درست نہیں اسی طرح اگر کسی نے جمعہ کی نماز اتنی تاخیر سے شروع کیا کہ جمعہ کی نماز مکمل ہونے سے پہلے ظہر کا وقت ختم ہو گیا تو جمعہ کی نماز کالعدم ہو جائے گی اور از سر نو ظہر کی نماز پڑھنی ہوگی۔

جمعہ کے شرائط میں سے تیسری شرط نماز سے پہلے خطبہ ہے یہ خطبہ جماعت کے لئے جتنے افراد ضروری ہیں ان کی موجودگی میں ہونا ضروری ہے لہٰذا اگر کسی شخص

نے نماز کے بعد خطبہ دیا یا اکیلے میں خطبہ پڑھ لیا تو اس خطبہ کا اعتبار نہیں لیکن صاحب خلاصہ نے اس کی صراحت کی ہے کہ کم ازکم ایک آدمی کی موجودگی کافی ہے امام کے لئے یہ سنت ہے کہ دو خطبہ دے ان دونوں خطبوں کے درمیان تین آیت کے بقدر بیٹھے اسی طرح دونوں خطبے بہت لمبے نہ ہوں بلکہ ہلکے ہوں طوال مفصل کی ایک سورت کے بقدر ہو اسی طرح دوسرے خطبہ کی آواز پہلے خطبہ سے پست ہو، نیز خطیب کو چاہئے کہ کھڑے ہوکر لوگوں کی طرف چہرہ کرکے باطہارت باوضو خطبہ دے لہذا اگر کسی خطیب نے بیٹھ کر خطبہ دیا یا بغیر طہارت کے خطبہ دیا، یا دو خطبوں کے درمیان نہیں بیٹھا یا لوگوں کی طرف رخ کرنے کے بجائے قبلہ رخ کرکے خطبہ دیا تو بھی جائز ہے لیکن توارث کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

اگر کسی شخص نے خطبہ میں صرف ذکر اللہ پر انحصار کیا یعنی الحمد للہ، یا سبحان اللہ، یا لا إلہ إلا اللہ، جیسے کلمات اس نے کہے تشہد، درود، موعظت، آیات قرآنیہ سے خطیب نے اعراض کیا تب بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک خطبہ درست ہو جائے گا لیکن مع الکراہت، لیکن حضرات صاحبین خطبہ کے صحیح ہونے کے لئے طویل ذکر ضروری قرار دیتے ہیں جس کو خطبہ سے موسوم کیا جاسکتا ہو جس کی مقدار کم سے کم تشہد کی مقدار ہو جمعہ کے شرائط میں سے چوتھی شرط جماعت ہے جس کی کم سے کم تعداد امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمی ہیں اور امام ابو یوسف اور محمد کے نزدیک امام کے علاوہ دو آدمی بھی کافی ہیں علامہ محبوبی اور امام نسفی نے امام ابوحنیفہ کے قول کو مختار قرار دیا

ہے اور شروح میں بھی امام صاحب ہی کی دلیل کوراجح قرار دیا ہے بہرحال مقتدی امام کے علاوہ تین ہوں یا دو جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جب تک امام پہلی رکعت کا سجدہ نہ کرلے اس وقت تک یہ ساتھ رہیں لہذا اگر اس سے پہلے یہ مقتدی بھاگ گئے تو جمعہ کی نماز درست نہیں ہوگی اور اگر امام کے سجدہ کرنے کے بعد بھاگے تو امام تنہا جمعہ کی نماز مکمل کرے اور اس کی نماز درست ہو جائے گی۔

جمعہ کی نماز میں قرأت کے احکام:

جمعہ کی دونوں رکعتوں میں قراءت جہری ہے سری نہیں اس لئے کہ یہی متوارث ہے البتہ کسی متعین سورت کا پڑھنا ضروری نہیں ہے لیکن شرح طحاوی میں پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورہ منافقون کے پڑھنے کی صراحت ہے لیکن اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ کسی اور سورت کا پڑھنا مکروہ ہے۔علامہ زاہدی نے پہلی رکعت میں سورہ اعلی اور دوسری رکعت میں سورہ غاشیہ کے پڑھنے کی صراحت کی ہے لیکن بقول صاحب بحر ابن نجیم کے اس کو بھی کبھی کبھار پڑھنا چاہئے پابندی کے ساتھ نہیں تاکہ عام لوگوں کو یہ خیال نہ ہو کہ جمعہ کی نماز میں انہی سورتوں کا پڑھنا ضروری ہے۔

"ولا تجب الجمعة على مسافر ولا امرأة ولا مريض ولا صبي ولا عبد ولا أعمى فإن حضروا وصلوا مع الناس أجزأهم عن فرض

الوقت ويجوز للمسافر والعبدوالمريض ونحوهم أن يأموا فى الجمعة ومن صلى الظهر فى منزله يوم الجمعة قبل صلاة الإمام ولا عذر له كره له ذلک وجاز صلاته فإن بدأ له أن يحضر الجمعة فتوجه إليها بطلت صلاة الظهر عند أبى حنيفة بالسعى إليها وقال أبويوسف ومحمد لا تبطل حتى يدخل مع الإمام"۔

جن پر جمعہ واجب نہیں ان کا بیان:

کچھ اعذار شرعی کی وجہ سے درج ذیل افراد وہ ہیں جن کے ذمہ سے جمعہ کی نماز کے لئے حاضری ساقط کردی گئی ہے لہذا ان پر جمعہ کی نماز ضروری نہیں ہے، (۱) مسافر اس لئے کہ جمعہ کی نماز کا مکلّف بنانے میں اس کو مشقت ہے اور المشقة تجلب التيسير کے تحت جمعہ کی نماز کی حاضری اس سے ساقط ہے، (۲) عورت اس لئے کہ جمعہ اور جماعت کے لئے اس کو نکلنے کی اجازت نہیں ہے، (۳) مریض اس کے قادر نہ ہونے کی وجہ سے جمعہ واجب نہیں ہے، (۴) غلام اس لئے کہ وہ اپنے آقا کی خدمت میں ہمہ وقت مصروف ہے اسی طرح اپاہج جو مسجد تک پہنچنے پر قادر نہیں ہے، (۵) نابینا، جس کو کوئی مسجد لے جانے والا نہیں ہے اور اکیلے اس کا پہنچنا دشوار ہے لیکن بارش کی وجہ سے راستہ کا دشوار کن ہوجانا یا راستہ میں کیچڑ یا برف باری کی وجہ سے راستہ کا تکلیف دہ ہوجانا اس کا شمار اعذار میں نہیں ہے، بہر حال اگر وہ لوگ جن پر جمعہ کی نماز

واجب نہیں ہے مسجد پہنچ جائیں اور مشقت کے باوجود پہنچ کر لوگوں کے ساتھ جمعہ کی نماز میں شریک ہو جائیں تو ان کی جمعہ کی نماز درست ہو جائے گی جیسے مسافر مشقت کے باوجود رمضان کے مہینہ میں روزہ رکھ لے تو روزہ کی فرضیت اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔

جن پر جمعہ کی نماز واجب نہیں اگر وہ جمعہ کی امامت کریں تو کیا حکم ہے؟

وہ حضرات جن کے اعذار کا شریعت نے اعتبار کیا ہے اور اس کی وجہ سے جمعہ کی حاضری ان کے ذمہ سے ساقط کر دی ہے مثلاً مسافر غلام مریض وغیرہ وہ مسجد میں آجائیں اور جمعہ کی امامت کریں تو امامت درست ہے ان کے ساتھ تمام مقتدیوں کی نماز جمعہ درست ہو جائے گی اس لئے کہ عدم وجوب جمعہ کا حکم دفعاً للحرج ان کے لئے بطور رخصت کے تھا اور جب وہ مسجد میں آگئے تو ان کا عدم وجوب وجوب میں بدل گیا لہٰذا امامت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اگر کسی شخص نے جمعہ کے دن امام کی نماز سے پہلے بغیر کسی عذر شرعی کے ظہر کی نماز اپنے گھر میں ادا کر لی تو اس کی نماز جائز ہو جائے گی لیکن اس کے لئے ایسا کرنا مکروہ تحریمی یعنی حرام ہے چونکہ وہ متفقہ فرض قطعی کا تارک ہے۔

لیکن اگر اس شخص کو یہ خیال پیدا ہو جائے اور جمعہ کے ارادہ سے مسجد کی طرف نکل پڑے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک محض اس کے نکل پڑنے سے ظہر کی نماز

باطل ہوجائے گی اس کے برخلاف صاحبین اس کے قائل ہیں کہ جب تک وہ امام کے ساتھ جاکر شریک جماعت نہ ہو گھر میں اس کی اکیلے پڑھی ہوئی نماز باطل نہیں ہوگی صاحب ہدایہ نے امام صاحب کی دلیل کو راجح قرار دیا ہے اور علامہ برہانی اور امام نسفی نے انہیں کے قول کو مختار قرار دیا ہے۔

"ویکره أن یصلی المعذورون الظهر بجماعة یوم الجمعة وکذا أهل السجن، ومن أدرک الإمام یوم الجمعة صلی معه ما أدرک وبنی علیها الجمعة وإن أدرکه فی التشهد أو فی سجود السهو بنی علیها الجمعة عند أبی حنیفة وأبی یوسف، وقال محمد إن أدرک معه أکثر الرکعة الثانیة بنی علیها الجمعة وإن أدرک معه أقلها بنی علیها الظهر"۔

معذورین کے لئے جمعہ کے دن ظہر با جماعت کا حکم:

جمعہ کے دن معذورین کے لئے جمعہ کی نماز میں شرکت ضروری نہیں ہے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے چونکہ یہ صورۃ معارضہ کی شکل ہے نیز اس میں تقلیل جماعت بھی ہے اسی طرح قیدی کے لئے بھی جمعہ کے دن ظہر کی نماز کی جماعت کرنا مکروہ ہے۔

اگر جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں کوئی شخص شریک ہوا لیکن قدرے تاخیر سے پہنچا یا ایک رکعت فوت ہوگئی تب شریک جماعت ہوا تو اس صورت میں بالاتفاق

جمعہ کی نماز درست ہو جائے گی لہذا چھوٹی ہوئی رکعت پوری کر لے۔

جمعہ کی نماز میں اگر کوئی تشہد میں شریک ہو تو کیا کرے؟

اور اگر ایسے وقت جمعہ کی نماز میں پہنچا کہ امام تشہد کی حالت میں تھا یا سجدہ سہو کر رہا تھا تو حضرت امام ابوحنیفہ وامام ابویوسف کی رائے یہ ہے کہ ایسا شخص اس پر جمعہ کی بنا کرے یعنی جمعہ کی نماز ہو جائے گی لیکن حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں جمعہ کی بنا نہ کرے بلکہ ظہر کی بنا کرے اگر چہ نیت متفقہ طور پر جمعہ کی کرے گا، اس طرح گویا کہ جمعہ کی نیت سے ظہر کی نماز ادا کی جائے گی اور ادی خلاف مانوی کی یہ ایک مثال ہے۔

"وإذا خرج الإمام يوم الجمعة ترک الناس الصلاة والكلام حتى يفرغ من خطبته وقالا لا بأس بأن يتكلم ما لم يبدأ بالخطبة، وإذا أذن المؤذنون يوم الجمعةالأذان الأول ترک الناس البيع والشراء وتوجهوا إلى صلاة الجمعة فإذا صعد الإمام المنبر جلس وأذن المؤذن بين يدى المنبر ثم يخطب الإمام فإذا فرغ من خطبته أقاموا الصلاة وصلوا"۔

امام جب خطبہ کے لئے نکل جائے تو اذکار واوراد موقوف کر دے:

اور جب امام جمعہ کے دن ممبر کی طرف نکل جائے خواہ اپنے حجرہ سے یا ممبر پر

چڑھنے کے لئے کھڑا ہو جائے تو لوگ اپنی گفتگو، اذکار واوراد حتی کہ نماز بھی موقوف کردیں یا مختصر کر کے ختم کردیں۔ الا یہ کہ کوئی صاحب ترتیب ہو تو اس صورت میں بھی فائتہ کی قضاء کرسکتا ہے اس لئے کہ بغیر فائتہ کو ادا کئے اس کی جمعہ کی نماز درست نہیں ہوگی۔

اور یہ ساری چیزیں اس وقت تک موقوف رہیں گی جب تک امام اپنے خطبہ ونماز سے فارغ نہ ہو جائے اور یہ حکم عام ہے قریب ودور ہر ایک کے لئے۔

اور جب مؤذن جمعہ کی پہلی اذان دیدے تو اس کے بعد خرید وفروخت کو فوراً بند کرنا واجب ہے اور جمعہ کی نماز کے لئے متوجہ ہو جانا ضروری ہے۔

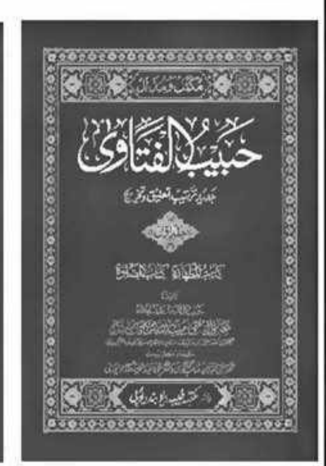
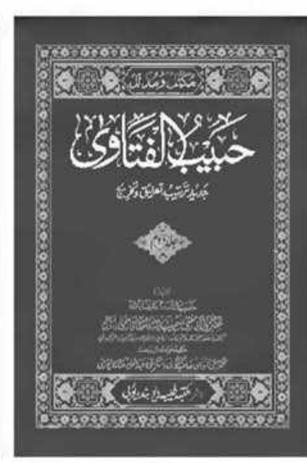
اور جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو مؤذن خطبہ کی اذان ممبر کے سامنے دے اور جب امام خطبہ سے فارغ ہو جائے تو ممبر سے اتر کر مصلی پر آئے اور لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائے اور تمام لوگ اس کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا کریں۔ اور مناسب یہی ہے کہ جو خطبہ دے وہی جمعہ بھی پڑھائے۔

زوال کے بعد جمعہ کی نماز سے قبل سفر مکروہ ہے البتہ زوال سے قبل سفر میں کوئی کراہت نہیں۔



حبیب الفتاوی

(مکمل ومدلل آٹھ جلد)



ابتداء تدریس سے تدریس کے ساتھ افتاء کا کام بھی اس خادم کے سپرد رہا اور اس عظیم خدمت کا بار بھی یہ خادم بہ صد شوق از اول تا آخر اٹھاتا رہا اور الحمدللہ اپنے بڑوں کی دعاء وتوجہ کے ساتھ حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کی خصوصی شرف تلمذ اور طویل عرصہ تک ان کی خدمت میں رہ کر فتاوی نویسی کی خدمت دہی نے ہر مشکل سے مشکل تر مسئلے کو آسان بنا دیا تھا۔

چنانچہ منقح انداز میں مکمل و مدلل، مطول ومختصر، محقق و مدقق ہر طرح کے جوابات ہر طبقے کے ہاتھوں میں پہنچتے رہے۔

ایک دن وہ بھی آیا کہ ان فتاوی کی تعداد اچھی خاصی ہوگئی اور احباب وتلامذہ واقفین و آشناؤں کے تقاضے بڑھنے لگے کہ ان مکتوب فتاوی کو ترتیب دے کر عوامی استفادہ کے

لیے،عوام وخواص کے ہاتھوں میں پہنچنا چاہئے۔
چنانچہ تلامذہ ومتعلقین، احباب ورفقاء ومتوسلین کی مسلسل خواہش واصرار کے بعد اس خادم کواس کی اجازت دینی پڑی۔ چنانچہ ۱۹۹۴ء سے اس پر کام شروع ہوااورایک سال کے وقفہ میں اس کی پہلی جلد مکمل ہوکراس وقت کے اکابرین افتاء کے ہاتھوں میں پہونچی اوردرجنوں اکابرین نے حبیب الفتاوی کودیکھنے کے بعداس کی تائیدوتوثیق اور تحسین فرمائی اور تحسینی کلمات سے سرفراز فرمایا جن کوحبیب الفتاوی کے جلداول میں دیکھا جاسکتا ہے۔
اس طرح مختلف اوقات میں حسب سہولت حبیب الفتاوی کی ترتیب وتبویب، تدوین و اشاعت کا کام ہوتارہا، تاآنکہ اس کی کئی جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہوکرعوام وخواص کے ہاتھوں میں یکے بعد دیگرے پہنچتی رہیں۔
چند سالوں سے اس کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی کہ اس کونئی ترتیب اورنئی تحقیق وتعلیق وتخریج کے ساتھ کامل ومکمل انداز میں شائع کیا جائے، چنانچہ اس زاویے سے کام شروع ہوااور دوسال کی محنت کے بعد الحمدللہ یہ کتاب ستمبر۲۰۲۰ء میں حبیب الفتاوی مکمل ومدلل جدید ترتیب، تعلیق وتخریج کے ساتھ آٹھ جلدوں میں زیور طبع سے مزین ہوکرمنصۂ شہود پرآگئی۔

